بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چوتھی اکائی: عصر عباسی میں فنی نثر کا ارتقاء

اکائی کے اجزاء

4.1 مقصد

4.2 تمہید

4.3 عہد عباسی کی نثر نگاری

4.3.1 عہد عباسی میں نثر نگاری کے فروغ کے اسباب وعوامل اور اس کے امتیازات وخصائص

4.3.2 عہد عباسی میں نثر نگاری کے ارتقائی مراحل

4.3.3 عہد عباسی کے نثر نگاران کے طبقات

4.3.4 عہد عباسی میں نثر کے اغراض ومقاصد

4.3.5 عہد عباسی کے اولین معماران نثر

4.4 نثر نگاری کے اصناف

4.4.1 خطابت

4.4.2 توقیعات

4.4.3 مراسلات

4.4.4 مناظرے

4.4.5 علوم لسانیہ

4.4.5.1 نحو

4.4.5.2 لغت نویسی

4.4.5.3 بلاغت وبیان

4.4.5.4 تاریخ نویسی

4.4.6 علوم شرعیہ

4.4.6.1 علم قرأت

4.4.6.2 تفسیر

4.4.6.3 حدیث

4.4.6.4 فقہ

4.4.7 فلسفہ

4.5 نمائندہ نثر نگار اور نمونہ کلام

4.5.1 ابن المقفع (۱۰۶-۱۴۲ھ)

4.5.2 سہل بن ہارون (م ۲۱۵ھ)

4.5.3 ابراہیم بن عباس بن محمد الصولی (۱۷۶-۲۴۳)

4.5.4 جاحظ (۱۵۹ھ-۲۵۵ھ)

4.5.5 ابن قتیبہ (۲۱۳-۲۷۶ھ)

4.5.6 ابن العمید (م۳۶۰ھ)
4.5.7 صاحب بن عباد(۳۲۶-۳۸۵ھ)
4.5.8 بدیع الزماں ہمدانی(۳۵۸ھ-۳۹۸ھ)
4.5.9 قاضی فاضل(۵۲۹-۵۹۶ھ)
4.5.10 ضیاءالدین ابن الاثیر
4.6 خلاصہ
4.7 نمونے کے امتحانی سوالات
4.8 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

4.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھ کر ہم اس بات سے واقف ہوسکیں گے کہ عہد عباسی میں نثر نگاری کے پروان چڑھنے کے کیا اسباب تھے؟ شاعری کے مقابلہ میں نثر نگاری نے کیونکر ترقی کی تھی اور اس کا معیار و مرتبہ کس قدر بلند تھا؟ ساتھ ہی ساتھ اس عہد کے نثر نگاران کے حالات، علمی و ادبی کارناموں کے ساتھ ساتھ نثر نگاری کے اصناف سخن سے واقف ہوا جاسکے گا۔

4.2 تمہید

عباسیوں اور امویوں کی طویل سیاسی کشمکش بالآخر ۱۳۲ھ میں عباسی حکومت کے قیام پر ختم ہوئی۔ اس سیاسی تبدیلی نے عربوں کی زندگی کے ہر پہلو پر اثر ڈالا۔ اموی حکمرانوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ ملک اور حکومت پر زیادہ سے زیادہ عربی رنگ غالب رہے، ادبی، سیاسی اور سماجی زندگی میں عربیت نمایاں رہے، لیکن عباسی حکومت کے قیام کے بعد اس کی پرواہ نہیں کی گئی۔ عباسیوں کو چونکہ حکومت سے زیادہ مطلب تھا اس لئے انہوں کے اس حصول کے لئے ایرانیوں سے مدد لی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ادبی سیاسی اور سماجی زندگی میں ایرانیوں کا عمل دخل بڑھنے لگا اور نتیجہ کے طور پر آہستہ آہستہ عربوں کی زندگی پر ایرانی اثرات غالب آتے گئے۔ اس حکومت نے اپنا دارالخلافہ بغداد کو بنالیا جو ایران سے بہت قریب ہے۔ انہوں نے صحراوی خیالات اور جذبات کو چھوڑ کر مفتوحہ ملکوں کی تہذیب کو اپنانا شروع کر دیا اور خاص کر ایرانیوں کے تہذیب و تمدن سے بڑا اثر قبول کیا۔

تاریخ ادب عربی کے مختلف ادوار میں عباسی دور (۱۳۲ تا ۶۵۶ھ/۷۵۰ تا ۱۲۵۸ء) عام طور سے اہم دور سمجھا گیا ہے کیونکہ اس زمانہ میں سلطنت عباسیہ کے حدود میں رہنے والے باشندے چاہے وہ کسی قوم اور کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، قابل لحاظ ترقی کی راہ پر گام زن رہے۔ اس دور کی اہم خصوصیت یہ ہے اس کے آغاز میں یونانی علوم وفنون کے ساتھ ساتھ قدیم ہندوستانی اور ایرانی علوم عربی میں منتقل ہوئے اور عربوں نے انہیں اس طرح اپنایا کہ وہ عربوں کا بیش قیمت ورثہ بن گئے۔ مجموعی طور پر عباسی معاشرہ ایک ترقی یافتہ معاشرہ بن گیا تھا جس میں سماج کی ساری بنیادی ضرورتیں پائی جاتی تھیں، ویسے تو عباسی حکومت تیرہویں صدی کے وسط میں بغداد کی تباہی پر ختم ہوئی لیکن مسلم معاشرہ میں اور زبان وادب وغیرہ میں زوال کے آثار گیارہویں صدی میں شروع ہو چکے تھے۔

ادب چونکہ زندگی کا آئینہ ہوتا ہے لہٰذا جب انسان کی زندگی اور رہن سہن میں تبدیلی آتی ہے اور سوچنے سمجھنے کے طریقے بدلتے ہیں تو ادب بھی اپنے آپ کو بدلتا رہتا ہے۔ دور جاہلی کے ادب اور سلامی ادب میں جس طرح سوچنے اور سمجھنے کی تبدیلی کی وجہ سے نمایاں فرق ملتا ہے اسی طرح عباسی دور میں طرز زندگی بدل جانے سے عربی ادب میں بھی نمایاں تبدیلی نظر آتی ہے۔ چنانچہ عباسی دور کا ادب اسلامی اور اموی دور کے ادب سے جداگانہ نظر آتا ہے۔ اس دور میں ادب میں جو تبدیلیاں آئیں وہ یکا یک نہیں تھیں بلکہ آہستہ آہستہ ان کے اثرات ظاہر ہوئے۔ ابتدا میں کچھ لوگوں نے قدیم طرز پر لکھنے کی کوشش کی لیکن ایرانی اثرات کے دباؤ میں وہ اس پر قائم نہیں رہ سکے۔ یہاں تک کہ عباسی دور کے اواخر میں یہ تبدیلی اتنی زیادہ ہوگئی کہ عربی ادب کا ڈھانچہ تو صرف عربی تھا لیکن اس کی اصل روح فارسی تھی۔

4.3 عہد عباسی کی نثر نگاری

نئے طرز زندگی اور مفتوحہ ممالک سے میل جول کا اثر اس زمانہ کی نثر نویسی پر بھی صاف ظاہر ہوتا ہے۔ نثر نے قوت، عمق اور وسعت میں ترقی کی، افکار، موضوعات اور اغراض میں حیات جدیدہ کا اثر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اس دور کے نثر میں معنی میں وسعت، مضامین میں تنوع اور الفاظ کی زیب وزینت پر زیادہ توجہ دی جانے لگی۔ ادیبوں نے معنوی اور لفظی دونوں طرح کے حسن کا یکساں خیال رکھا۔ اس دور کے آغاز ہی سے ادیبوں نے اپنی تحریروں میں طوالت کو فارسی اثر کی وجہ سے اپنانا شروع کر دیا تھا جس کی بعض لوگ

ایسے بھی تھے، جو اس ڈر سے، کہ کہیں جدت پسندی عربی نثر کے لئے نقصان دہ نہ ہو مختصر نویسی کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے۔ عباسی دور کا مشہور وزیر اور ادب نواز جعفر بن یحییٰ برمکی کہا کرتا تھا ''لو استعطم أن تكون كتبكم كالتوقيعات فافعلوا'' یعنی اگر تمہیں قدرت ہو کہ تمہاری تحریریں مختصر نوٹ کی طرح ہوں تو تم ایسا ہی کرو۔

اسی نظریہ پر بہت سے لوگوں نے عمل بھی کیا جس کی مثال طاہر بن حسین کے اس مختصر خط سے ملتی ہے جو اس نے خلیفہ مامون کو لکھا تھا: ''كتابي إلى أمير المؤمنين ورأس عيسى بن ماهان بين يديه وخاتمه في يدي وعسكره مصروف تحت أمري والسلام '' (میرا یہ خط امیر المومنین کے لئے ہے، عیسی بن ماہان کا سر ان کے سامنے ہے، اس کی انگشتری میرے قبضہ میں ہے اور اس کا لشکر میرے حکم کے تابع ہے) لیکن اس کے برعکس دوسری طرف ایسے رسائل بھی تھے کہ جن میں طوالت کو اختیار کیا جاتا تھا، بالارادہ بہترین الفاظ لکھے جاتے تھے اور لکھنے والا ان کو مرتب کرنے میں کافی محنت سے کام لیتا تھا۔ جملوں میں موسیقیت کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ عباسی دور کے شروع میں مقفی اور مسجع نثر بھی فطرت سے زیادہ قریب تھی اور اس میں زیادہ تکلف سے کام نہیں لیا جاتا تھا لیکن اسی دور کے آخر میں جب زبان میں فساد پیدا ہو گیا تو سجع میں زیادہ تکلف اور آورد سے کام لیا جانے لگا۔ زبان کی خامیوں کو مقفی اور مسجع نثر لکھ کر پورا کرنے کی کوشش کی گئی۔ اطناب میں حدود کو ختم کر دیا گیا۔ پہلے جو بات دو یا چار جملوں میں پوری ہو جاتی تھی اب اسی کو ادا کرنے کے لئے کئی کئی صفحات رنگین کر دیئے جاتے تھے مگر پھر بھی نفس مطلب پورا نہیں ہوتا تھا۔ اطناب کو اختیار کرنے والا سب سے پہلا شخص عبدالحمید بن یحییٰ الکاتب تھا جو فارسی النسل ہونے کی وجہ سے اپنی اصل زبان کی خصوصیات کو عربی زبان میں لانا چاہتا تھا۔

4.3.1 عہد عباسی میں نثر نگاری کے فروغ کے اسباب وعوامل اور اس کے امتیازات وخصائص

عباسی دور میں مجموعی طور پر نثر فنی کی نشو ونما میں متعدد عوامل کارگر رہے تھے، انشا پردازوں کو پہلے کے مقابلہ میں نسبتاً زیادہ آزادی تھی۔ قرآن کریم اور احادیث سے استفادہ اور استدلال نے ان کی عبارتوں میں نکھار پیدا کر دیا تھا اور اسی کے ساتھ فارسی اثرات سے بھی انہوں نے فائدہ اٹھایا۔ اس دور کی نثر میں عام طور پر تمہیدی کلمات اور مقدمات کا اضافہ ہوا اور منتخب عبارات آغاز اور اختتامیہ کے طور پر استعمال ہوئیں۔ آسان عبارات، واضح اسلوب منتخب پرشکوہ الفاظ، معنی میں گہرائی اور افکار وخیالات میں ترتیب اس دور کی نمایاں خصوصیات ہیں لہٰذا ان تمام چیزوں کا مجموعہ ان ادیبوں کی انشا پردازی میں ایک مخصوص انداز پیدا کر دیتا ہے جو ان کو دیگر زمانہ کے ادیبوں سے ممتاز کرتا ہے۔

عباسی دور میں نثر نگاری کی ترقی میں حسب ذیل عوامل واسباب نے نمایاں کردار ادا کیا ہے:

۱- انشا پردازوں کو غیر معمولی قسم کی آزادی کا حاصل ہونا۔

۲- عربوں کا غیر عربوں کے ساتھ میل جول اور ان قوموں کے تہذیب وتمدن نے عربوں پر گہرے اثرات مرتب کیے تھے اور اہل عرب کی عقلوں کو پختہ کرنے اور اسلامی افکار وثقافت کے نشو ونما وفروغ میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔

۳- عربوں کا ان تمام تہذیب وتمدن سے استفادہ کر کے ان میں سے صالح نافع کو اختیار کرنا۔

۴- ہر طرح کی آزادی نے غیر عرب مسلمانوں کو اس کا اہل بنایا کہ وہ حکومت وقت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب تک پہنچیں۔ ان لوگوں نے اپنی تہذیب وتمدن کو عربوں میں پھیلایا اور عرب وغیر عرب فکری کش مکش نتیجہ میں عربوں میں فکری بیداری آئی اور عربی عقل میں پختگی آئی۔

۵- عباسی دور کے طویل دورانیہ نے کہ جس میں سیاسی استحکام موجود تھا، علمی وفکری فضا کو ہموار کیا۔

عہد عباسی کی نثر نگاری کی نمایاں خصوصیات وامتیازات حسب ذیل ہیں:

۱- اس دور میں ادبی نثر، قصص وحکایات، دفتری تحریروں، دینی وسیاسی خطابت پر مشتمل تھا اور ہر قسم کے موضوعات اور اغراض پر ادبا نے خامہ فرسائی کی۔

۲- اس دور کی نثر میں تسلسل افکار، علمی گہرائی، فلسفیانہ اور منطقی وسعت کی چھاپ نظر آتی ہے جو دیگر قوموں کی تہذیب کے اثرات کی وجہ سے اس دور کے نثر پر پڑی۔

۳- اس دور کی نثر میں بلند خیالی اور وضاحت پائی جاتی ہے۔ ادبا نے اعتدال کی راہ اختیار کی اور اپنے احساسات وجذبات کی سچی ترجمانی کی۔ یہ سلسلہ چلتا رہا عباسی دور کے اواخر میں حکومت کی کمزوری کے ساتھ انشا پردازی میں بھی کمزوری پیدا ہو گئی۔ انشا پردازوں نے کچھ انواع بدیع کے زیر اثر اور کچھ فارسی زبان کے بڑھتے اثرات کی وجہ سے کلام کو حسین اور خوش نما بنانے کی کوشش کی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا اس زبان کا ڈھانچہ تو عربی تھا مگر اس کی اصل روح بدل چکی تھی عبارتوں کو حسین بنانے میں اس قدر غلو کیا کہ الفاظ بھونڈے ہو گئے اور معانی ناقص۔ اگر یہ رجحان خالص عربی نثر کے بجائے خطوط نویسی وصایا اور عہد ناموں تک محدود رہتا تو بہتر ہوتا مگر یہ اسلوب کتابوں کی تصنیف اور علوم کی تدوین میں استعمال کیا جانے لگا۔

۴- عباسی دور کے آغاز میں عبارتوں میں ایجاز واطناب اور مساوات کا استعمال مناسب طریقہ پر ہوتا تھا، الفاظ سہل اور شیریں ہوتے تھے اور معانی میں وضاحت

کا اہتمام کیا جاتا تھا اور اس کے لئے امثال وحکم، قرآن وحدیث اور اقوال عرب سے استشہاد کیا جاتا تھا۔ لیکن چوتھے دور میں جس کے سردار قاضی فاضل تھے اسلوب میں سجع بندی اور بدیع پسندی کے ساتھ توریہ اور تجنیس میں اس قدر غلو ہوا کہ اس زمانہ میں انشا پردازی محض تکلفات کا مجموعہ بن کر رہ گئی۔ جس میں الفاظ کی خوبصورتی کا اہتمام ہوتا تھا لیکن مضمون ناقص، خیال نامکمل ہوا کرتے تھے۔

۵- اس دور میں ایسے ایسے انشا پرداز بھی ہوئے کہ جنہوں نے نثر نویسی میں یگانگت کو باقی رہنے نہیں دیا اور جدا جدا اسالیب کا استعمال ہونے لگا، چنانچہ جاحظ کے دور میں ابن عبد ربہ کی طرح ابن المقفع کے پیروکار، ابن العمید کے دور میں شریف رضی کی طرح حضرت علی کے اسلوب کا اتباع کرنے والے ملتے ہیں۔ یہ صورت حال عربی نثر میں جدت اور قدامت دونوں رجحانات کی عکاسی کرتی ہے۔

4.3.2 عہد عباسی میں نثر نگاری کے ارتقائی مراحل

عصر عباسی، جس کا دورانیہ ۱۳۲ تا ۶۵۶ھ/ ۷۵۰ تا ۱۲۵۸ء پر محیط ہے، اسلامی دور کا عہد زریں ہے، بقول احمد حسن زیات ''حکومت عباسیہ کا زمانہ اسلام کا وہ زریں عہد ہے جس میں مسلمان تمدن وتہذیب اور عمران واقدار کے لحاظ سے اس قدر بلند مقام پر پہنچ گئے تھے کہ اس سے قبل یا اس کے بعد پھر کبھی اس بلندی پر نہ پہنچے۔ فنون اسلامیہ اس دور میں پھلے پھولے، آداب عربیہ نے نشو ونما پائی۔ غیر ملکی علوم کے ترجمے کئے گئے۔ عقل عربی پک کر تیار ہوئی اور غور وفکر، بحث وتمحیص کے لئے ایک وسیع جولان گاہ پائی''۔ اس دور کے علمی کارناموں کا جائزہ لیتے وقت یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ علم وفن کی وہ کونسی صنف ہے جو اپنے اندر شان انفرادیت نہیں رکھتی ہے، علوم قرآن، علوم حدیث، فقہ، نحو، علم لغت، معانی وبیان، تاریخ نویسی، جغرافیہ، فلسفہ اور طب یہ تمام موضوعات ایسے ہیں کہ جن میں اس دور کی خدمات روز روشن کی طرح نمایاں ہیں۔ اس دور میں شعر وشاعری کے ساتھ ساتھ نثر نویسی کا درجہ کسی اعتبار سے کم تر نہیں کہا جا سکتا ہے۔

عبداللہ بن المقفع، سہل بن ہارون، جاحظ، ابن العمید (م ۳۶۰ھ)، صاحب بن عباد (م ۳۸۵ھ)، قاضی فاضل (م ۵۹۶ھ)، ابوعبیدہ (م ۲۰۹ھ)، اصمعی (م ۲۱۶ھ)، ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ)، ابن رشید (م ۴۵۶ھ)، بدیع الزماں ہمدانی (م ۳۹۸ھ)، ابوالقاسم حریری (م ۵۱۶ھ) اور قدامہ بن جعفر (م ۳۳۷ھ) جیسے لوگوں نے اس صنف کو جلا بخشی اور انہیں لوگوں کی خدمات پر اس عہد کے نثری کارناموں کا شاندار محل تعمیر ہوا۔ اس کے باغ میں نئے نئے پھول کھلے اور اس گلشن کی بہار آج تک قابل رشک شمار کی جاتی ہے۔

عربی نثر کے ارتقا کے سلسلہ میں عصر عباسی اول ۱۳۲ تا ۲۳۲ھ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ نثر کے ارتقا میں دیگر علوم وفنون کے ترجموں سے مدد ملی، یونان، ایران اور ہندوستان کی ثقافتوں کا گہرا اثر عربی زبان وادب پر پڑا اور عربی نثر نے ان اثرات کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ فلسفہ اور دیگر علوم کے مباحث کے لئے گنجائش پیدا ہوئی غور وفکر کا معیار بلند ہوا اور تراجم کی بدولت دیگر زبانوں کے شاہکار عربی میں منتقل ہوئے جس سے عربی نثر میں ایک نئے رنگ کی آمیزش ہوئی اور اسے نئے فنون سے آشنا ہونے کا موقعہ ملا۔

جس طرح سیاسی اور اجتماعی حالات کے اعتبار سے عباسی دور کو درج ذیل چار ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے اسی طرح اس دور کے انشا پردازوں کو بھی چار ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ پہلا دور ۱۳۲ھ تا ۲۳۲ھ، خلافت عباسی کے آغاز سے متوکل کی تخت نشینی تک۔

۲۔ دوسرا دور ۲۳۲ھ تا ۳۳۴ھ، متوکل کی تخت نشینی سے بنو بویہ کی حکومت کے قیام تک۔

۳۔ تیسرا دور ۳۳۴ھ تا ۴۴۷ھ، بنو بویہ کے غلبہ بغداد سے سلاجقہ کی آمد تک۔

۴۔ چوتھا دور ۴۴۷ھ تا ۶۵۶ھ، سلاجقہ کی حکومت سے تاتاریوں کے ہاتھوں تباہی بغداد تک۔

4.3.3 عہد عباسی کے نثر نگاران کے طبقات

عہد عباسی کے نثر نگاران کو حسب ذیل طبقات میں تقسیم کیا جاتا ہے:

پہلا طبقہ: اس طبقہ کا سردار ابن المقفع ہے۔ بقول حسن زیات ''اس کے اسلوب میں نیرنگی عبارت، جملوں کو (چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں) توڑنا، الفاظ میں ہم آہنگی، سہل پسندی، معانی کا زیادہ اہتمام اور سجع بندی سے گریز شامل ہیں''۔ اس طبقہ کے دیگر انشا پردازوں میں یعقوب بن داؤد، جعفر بن یحیی، حسن بن سہل، عمرو بن سعدہ/مسعودہ، سہل بن ہارون اور حسن بن وہب ہیں۔ اس طبقہ کے نثر نگاری کی وہی خصوصیات ہیں جو عبداللہ بن المقفع کے نثر کی ہیں۔

دوسرا طبقہ: اس طبقہ کا سردار جاحظ ہے، عبارت کے آسان اور پرشوکت ہونے میں اس کا اسلوب پہلے طبقہ کے اسلوب سے زیادہ مشابہ ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ مختصر جملے لکھنا، بات سے بات نکالتے چلے جانا (استطراد)، ایک جملہ کو بہت سے مقفّی یا غیر مقفّی فقروں میں توڑنا، الفاظ اور جملوں میں اطناب، قاری کی اکتاہٹ کو دور کرنے کے لئے

سنجیدہ اور ٹھوس مضامین میں ظرافت اور ہنسی مذاق کی آمیزش، مضمون کے تمام گوشوں کو اجاگر کرنا اور مطلب کو کھول کر بیان کرنا، عقل و منطق سے استدلال کے ساتھ ساتھ نقلی و عقلی دلائل سے استشہاد اور اثنائے عبارت میں دعائیہ جملے لانا شامل ہیں۔ اس طبقہ کے دیگر لوگوں میں ابن قتیبہ، مبرد (م ۲۸۵ھ) اور ابوبکر صولی (م ۳۳۵ھ) ہیں۔

تیسرا طبقہ: اس طبقہ کا سردار ابن العمید ہے۔ اس کا اسلوب نہایت دل نشین اور طبیعت کو موہ لینے اور وجدان پر قابو پا لینے والا ہے۔ کیونکہ یہ بالکل شاعرانہ طریقہ ہے، جس میں وزن کے علاوہ کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ اور یہ طرز ادا اپنی لازمی قیود کی پابندی اور تمام اسالیب پر غالب آنے کی وجہ سے یورپ کے قدیم تقلیدی (مقبول عام) اسلوب سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ اس اسلوب کے لئے چھوٹے چھوٹے مسجع جملے، تجنیس (متشابہ و ہم شکل الفاظ) تاریخ اور دیگر علوم کے لطائف کی آمیزش، اثنائے عبارت میں شعروں سے استشہاد، نفس مضمون کی سلامتی و عمدگی کے ساتھ تخیل و تشبیہ میں وسعت، لازمی قیود ہیں۔ اس اسلوب کو اپنانے والوں میں صاحب بن عباد، وزیر مہلبی، خوارزمی (م ۳۸۳ھ) بدیع الزماں ہمدانی، صابی اور ثعالبی ہیں، مقامات اسی طبقہ کے آثار میں ہیں۔

چوتھا طبقہ: چوتھے طبقہ کا سردار قاضی فاضل ہے، اس کے اسلوب کی بنیاد سجع بندی اور بدیع پسندی میں تیسرے طبقہ کے اسلوب کے مطابق ہے لیکن توریہ (لفظی ہیر پھیر)، ابہام اور تجنیس میں اس نے اس قدر غلو کیا کہ اس کے زمانہ میں انشاپردازی محض تصنع و تکلفات کا مجموعہ بن کر رہ گئی۔ اس طبقہ کی انشاپردازی کے الفاظ نہایت خوبصورت اور خوش نما ہوتے ہیں، لیکن مضمون ناقص اور خیال نامکمل۔ اس طرز کے انشاپردازوں میں کے المثل السائر مصنف ابن الاثیر (م ۶۳۷ھ)، کاتب اصبہانی (م ۳۵۶ھ) اور ابوالقاسم حریری وغیرہ ہیں۔

حسن زیات نے مذکورہ بالا چاروں طبقات میں ہر طبقہ کی خدمات اس عہد کے اعتبار سے اہم اور ممتاز قرار دیا ہے اور اس بات کی وضاحت کی ہے کہ انشاپردازوں کے اس عقیدہ نے کہ اسلاف سے منقول نثر کو حفظ کر لینا ثقافت و ادب کا لازمہ اور تفوق و برتری کا ذریعہ ہے، قلموں میں یگانگت باقی نہ رہنے دی اور اسالیب کو جدا جدا کر دیا۔ جس کے باعث ایک ہی زمانہ میں انشاپردازی کے مختلف طریقے ہونے لگے۔ چنانچہ آپ کو جاحظ کے زمانہ میں ابن عبدربہ کی طرح ابن المقفع کے مقلد اور ابن العمید کے زمانہ میں شریف رضی کی طرح امام علیؓ کے پیرو ملیں گے۔ لیکن بایں ہمہ تمام ہم عصر انشاپرداز اپنے سیاسی و اجتماعی حالات کے سامنے مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی انشاپردازی میں ایک مخصوص انداز پیدا ہو جاتا ہے جو ان کو دوسرے زمانوں سے ممتاز کر دیتا ہے۔

4.3.4 عہد عباسی میں نثر کے اغراض و مقاصد

اموی دور میں عام طور سے نثر کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اسی لئے اس دور کے نثری موضوعات خطبات اور رسائل وغیرہ سے آگے نہیں بڑھ سکے اور عباسی دور میں چونکہ حالات بدل گئے تھے لہٰذا اس دور کے نثر میں بھی بڑی تبدیلی نظر آتی ہے۔ اب اس کے اغراض و مقاصد میں شخصی، اجتماعی اور سیاسی ہر قسم کے موضوعات آ گئے تھے۔ اس دور میں نثر کو مدح، وصف، ہجاء، رثاء، اعتذار، تہنیت، تعزیت، نسیب اور نصائح میں استعمال کیا گیا۔ صرف موضوعات میں وسعت نہیں ہوئی بلکہ افکار میں گہرائی، خیال میں جدت، معانی میں وسعت اور اغراض و مقاصد میں بھی تبدیلی آئی۔

4.3.5 عہد عباسی کے اولین معماران نثر

نثر فنی کی تاریخ میں دو شخص بڑی اہمیت کے حامل ہیں، ان میں سے پہلا شخص تو عبداللہ ابن المقفع (م ۱۴۲ھ) ہے جس کو عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں یکساں قدرت حاصل تھی۔ اس نے فارسی کی بہت سی اہم کتابوں کو عربی کے قالب میں ڈھالا اور یونانی ادب سے ارسطو کی ایک کتاب کا بھی عربی میں ترجمہ کیا۔ ان تراجم کے علاوہ اس کی اپنی تصنیفات میں چار رسالے شامل ہیں۔ اس نے زندگی کے بہت سے موضوعات مثلاً سیاست، اخلاق، تعلیم، نظام ملک اور احوال رعیت پر مضامین لکھے۔ اس کی تحریروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا علم اور مطالعہ وسیع تھا اور اس کو ماضی کے ادب، احوال اور سیر پر کافی عبور تھا۔ وہ اپنے اسلوب میں لفظی جمال پر اتنا ہی دھیان دیتا جتنا کہ معانی کی وضاحت کے لئے ضروری سمجھتا تھا۔ اس کے یہاں غیر ضروری لفاظی، تک بندی اور سجع کا التزام نہیں تھا۔ وہ خود کہا کرتا تھا کہ ''إياك والتتبع لوحش الكلام طمعافي نيل البلاغة ، فإن ذلك هو العي الأكبر'' (خبردار بلاغت کے حصول میں نامانوس کلام سے بچو اس لئے کہ یہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے)۔ بہرحال عبداللہ بن المقفع نے اپنے تراجم اور تالیفات سے عربی زبان کو وہ تمام چیزیں دی ہیں جو اس سے قبل کسی نے نہیں دیا تھا۔

دوسرا وہ شخص جس نے جاحظ (م ۲۵۵ھ) سے قبل عربی نثر کو متاثر کیا وہ سہل بن ہارون (م ۲۱۵ھ) تھا۔ عربی نثر کی تاریخ میں اس کی شخصیت بالکل ایسی ہی ہے جیسا کہ پودے کے لئے بیج کی ہوتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ سہل بن ہارون ہی وہ بیج تھا کہ جس کا پودا جاحظ کی صورت میں نمودار ہوا تو غلط نہیں ہے۔ سہل بن ہارون نے ترجمہ کے میدان میں زیادہ کام نہیں کیا بلکہ اس کا زیادہ کام تصنیف و تالیف پر مشتمل تھا۔ امتداد زمانہ کے ہاتھوں اس کی تصنیفات اس طرح ضائع ہوئیں کہ ان کا سواں حصہ بھی باقی نہ رہا۔ بقول ڈاکٹر شوقی ضیف ''جب ہم سہل بن ہارون کے ادبی نقوش کی تلاش و جستجو کرتے ہیں تاکہ اس کے فن پر کوئی درست حکم صادر کریں تو اس کی ڈھیر ساری تحریروں میں سے صرف وہی

تھوڑا سا حصہ ہمارے سامنے آتا ہے جسے جاحظ اور ابن ندیم (م ۴۳۸ھ) وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ اگر جاحظ نے کتاب البخلاء اور البیان و التبیین میں اس کی علمی کاوشوں کے کچھ حصوں کو ذکر نہ کیا ہوتا تو ہم اس کے فن پر کوئی درست حکم نہیں لگا سکتے تھے‘‘۔

سہل بن ہارون کا سب سے اہم وہ خط ہے جو اس نے اپنے چچازاد بھائیوں کو لکھا تھا جسے جاحظ نے کتاب البخلاء کے مقدمہ میں محفوظ کر دیا ہے۔ اس خط میں وہ ان اعتراضات کا جواب دیتا ہے جو اس کے بخل پر اس کے چچازاد بھائیوں نے لگایا تھا۔ پھر اپنے بخل کو درست ثابت کرنے کے لئے وہ عقلی ونقلی دلائل اور اقوال سلف پیش کرتا ہے۔ اس رسالہ کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ بخل ایک پسندیدہ عادت ہے۔ اس خط کے علاوہ ادب اور تاریخ کی دوسری کتابوں میں اس کی تحریروں کے کچھ نمونے مل جاتے ہیں جن سے اس کے طرز تحریر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اس کی نثر میں سب سے اہم خصوصیت عقلی اور نقلی دلائل سے اپنی بات کا اثبات ہے اور اپنے اس اسلوب میں وہ یونانی طرز تحریر سے زیادہ متاثر نظر آتا ہے۔ عربی نثر میں اس قسم کا اسلوب اس سے پہلے نہیں ملتا ہے۔ اس کے کلام کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ اپنے کلام میں پرلطف جملے لاتا ہے جس کا ایک خاص اثر دل پر پڑتا ہے۔ ان جملوں میں وہ ظرافت کے ساتھ ساتھ حکمت اور فلسفہ بھی پیش کرتا ہے، اپنے کلام کی تائید میں کبھی کبھی قصے کہانیاں بھی بیان کرتا ہے جس کی وجہ سے ان کے مقاصد قاری کے نزدیک آسانی سے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ سہل بن ہارون نے جہاں معانی کی خوبصورتی، حسن ادا اور طریقہ استدلال کی طرف توجہ دی ہے وہیں اس نے الفاظ کی خوبصورتی، سجع اور بدیع کا بھی خیال رکھا ہے۔ اس کی تحریروں کو پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ میں زیر و بم کے ساتھ ایک ایسی موسیقیت ہے جو ہمارے کانوں میں گھلی جا رہی ہوتی ہے۔ اسلوب میں جدت اور استدلال کے طریقہ میں سہل بن ہارون اور جاحظ ایک دوسرے سے بالکل مشابہ ہیں۔ سہل بن ہارون کے اس خط میں جسے جاحظ نے کتاب البخلاء میں ذکر کیا ہے اور جاحظ کی ان عبارتوں میں جو کتاب البخلاء میں ہیں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر خود جاحظ اس رسالہ کو سہل بن ہارون سے منسوب نہ کرتا تو اسے جاحظ ہی کا رسالہ سمجھا جاتا لیکن اس مشابہت کی بنا پر یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ سہل بن ہارون کا مرتبہ بھی جاحظ کی طرح ہے۔ جاحظ اپنے اسلوب کا موجد اور خاتم تھا۔

4.4 نثر نگاری کے اصناف

عہد عباسی کے نثری ارتقا میں دیگر علوم وفنون کے ترجموں سے مدد ملی اور ارتقا کا یہ عمل نقل وترجمہ سے مکمل ہوا اسی کے ساتھ ساتھ مشرق وسطی کی قومیں جب عربوں سے رابطہ میں آئیں تو اپنی ثقافت اور علوم سے عربوں کو متعارف کرایا۔ عربی نثر کی ترقی میں تحریک ترجمہ کا نمایاں اثر پڑا اور ہر عمدہ کتاب کو عربی کے قالب میں ڈھالا گیا۔ اس دور میں لفظی ترجمہ پر زیادہ زور تھا لیکن دوسرے دور میں مترجمین کا میلان سلیس ترجمہ کی جانب ہوا۔ اس دور کے ترجمہ میں فصاحت اور روانی کی وجہ یہ تھی کہ علمائے لغت اور علمائے بیان کی کوششوں سے لوگ فصاحت و بلاغت کی شرطوں سے واقف ہونے لگے تھے۔ لیکن جب اہل عرب کا میل جول دیگر اقوام سے ہوا اور بالخصوص ایرانیوں کے اثرات غالب آنے لگے تو انہوں نے تکلف اور تصنع سے کام لینا شروع کر دیا اور ایجاز کے بجائے ان کی عبارتوں میں اطناب غالب آ تا گیا۔ اس اختلاط اور اثر پذیری کے بعد عربی نثر ایک نئے رخ پر چل پڑی اور اس کی متعدد شاخیں وجود میں آئیں مثال کے طور پر علمی نثر، فلسفیانہ نثر، تاریخی نثر اور خالص ادبی نثر جو ایک طرح سے قدیم نثر کا تسلسل تھی مگر اس کی بعض صورتیں اتنی نئی اور اچھوتی تھیں کہ عربوں نے ان کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ اسی کے ساتھ اس نثر نے لغوی اور شرعی علوم کو بھی اپنے دامن میں جگہ دی۔ اور اس کے نتیجہ میں ایک بڑا لغوی و دینی سرمایہ وجود میں آ گیا۔ اس عہد کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج بھی بیشتر فنون کے مآخذ اس دور کی تصنیفی یادگار ہیں۔

عہد عباسی میں نثر نگاری کو کافی فروغ حاصل ہوا تھا۔ خطابت، مناظرے، علوم لسانیہ، تاریخ نویسی، علوم شرعیہ، فلسفہ اور علم کلام کے ساتھ ساتھ دیگر نثری اصناف کے لئے راہیں ہموار ہوئیں چنانچہ دفتری کاروائیاں، انشا و ترسیل کے لئے ترقی کا سبب بنیں تو قصص وحکایات سے لوگوں کی دلچسپی نے نثر کے دائرے میں مزید وسعت پیدا کی۔ نحو وصرف اور بلاغت کی تدوین سے زبان صاف ستھری ہوگئی، تاریخ، جغرافیہ، لغت نویسی، بلاغت و بیان، تصوف، فقہ واصول فقہ، حدیث واصول حدیث، فلسفہ، طب، کیمیا، نجوم اور خالص ادبی نثر کے بے شمار نمونے سامنے آئے۔ اب ضرورت اس بات کی محسوس ہوئی کہ معیاری اور غیر معیاری نمونوں کی شناخت ہو لہٰذا فن تنقید کے اصول وضوابط کی تدوین ہوئی۔ نقد ونظر کا معیار متعین کرنے میں جاحظ کی البیان والتبیین، قدامہ بن جعفر کی نقد النثر، ابراہیم بن مدبر (م ۲۷۸ھ) کی تصنیف الرسالۃ العذراء اور اسحاق بن ابراہیم (م ۳۳۷ھ) کی کتاب البرھان فی وجوہ البیان کو اہمیت حاصل ہے۔

اس دور کی دیگر نثری اقسام میں مراسلہ نویسی، عہد نامے، وصایا اور توقیعات کو فروغ ہوا دفتری خطوط لکھنے پر انہیں لوگوں کو مامور کیا جاتا تھا جن میں ادب کا ذوق اور بلاغت کا ملکہ ہوتا تھا۔ ان لوگوں کو مختلف علوم وفنون سے واقفیت ہوتی تھی۔ یہ مراسلات ملک کے انتظامی امور، حکام کے تقرر، خلفا کے لئے بیعت، فتوحات جہاد، ملک میں امن وامان اور حکام کو وصیت، لوگوں کو تہنیت یا تعزیت جیسے موضوعات پر مشتمل ہوتی تھیں۔

علوم وفنون کی یہ تاریخ ساز ترقی خود بخود پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کے پس پشت حکمراں طبقہ کی تائید واعانت شامل تھی۔ خلفا کی دیکھا دیکھی دیگر امرا اور ارباب ثروت

بھی علمی مشاغل کی سرپرستی کرتے تھے۔عباسیوں نے اورارباب ثروت نے ادب نوازی میں جس کشادہ قلبی کا مظاہرہ کیا تھا اس کی بدولت مختلف علوم وفنون کی تدوین وارتقا کے لئے راہیں ہموار ہوئیں۔صاحبان تصنیف کوگراں قدر انعامات سے نوازا جاتا تھا ان کے لئے وظائف خاص تھے اور ملازمتوں میں ان کو ترجیح دی جاتی تھی، مدارس، مکاتب، لائبریاں اور جامعات حکومت کے زیر انتظام قائم ہوئیں ان سب کا ثمرہ یہ تھا کہ تعلیم وتصنیف کو بیحد فروغ ہوا۔

4.4.1 خطابت

اس دور کے اوائل میں بھی سیاسی خطابت کا زور رہا کیونکہ بنوامیہ کی حکومت کو ختم کرنے اور اپنے حق خلافت کو ثابت کرنے کے لئے انہیں ایسے خطیبوں کی ضرورت تھی جو ان کے حق میں فضا ہموار کرسکیں۔حکومت کو مستحکم کرنے ،فوج کو جنگ پر آمادہ کرنے اور وفود کے خیر مقدم کرنے کے لئے خطابت کو قدر ومنزلت حاصل تھی۔عباسی خلفا میں منصور (م ۱۵۸ھ) مہدی (م ۱۶۹ھ) ہارون رشید (م ۱۹۳ھ) اور مامون (م ۲۱۸ھ) کا شمار عمدہ خطیبوں میں ہوتا تھا۔ان کے علاوہ داود بن علی، خالد بن صفوان اور شبیب بن شیبہ (م ۱۷۰ھ) میں خطابت کا بڑا ملکہ موجود تھا۔ جب عباسی حکومت پوری طرح مستحکم ہوگئی تو فن خطابت کی طرف عدم توجہ نے اس فن کو زوال پذیر کردیا اور اس کی جگہ شاہی فرامین اور مکاتیب نے لے لی،خطبات صرف جمعہ،عیدین اور نکاح کے لئے محدود ہوگئے۔

اموی دور کی طرح عباسی دور میں بھی دینی خطابت اور وعظ گوئی کو ترقی ہوئی۔واعظوں کی ایک بڑی تعداد بغداد،کوفہ اور بصرہ کے مساجد میں وعظ ونصیحت کا فریضہ انجام دیتی تھی،ان میں زہاد،فقہا،محدثین اور متکلمین ہر طرح کے لوگ تھے۔یہ لوگ خلفا کی مجلسوں میں بھی وعظ ونصیحت کی خدمت انجام دیتے تھے۔خلفاء کی مجالس میں وعظ ونصیحت کرنے والوں میں تین لوگوں کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ پہلا شخص خلیفہ منصور کا خطیب عمرو بن عبید معتزلی، دوسرا خلیفہ مہدی کا خطیب صالح بن عبدالجلیل اور تیسرا ہارون رشید کا خطیب ابن السماک (م ۳۴۴ھ)۔

اس دور کے واعظین اپنے خطبوں میں آیات قرآنیہ،احادیث نبویہ،اقوال صحابہ اور سابق واعظوں کے اقوال سے استشہاد کرتے تھے۔جاحظ نے اپنی کتاب البیان والتبیین میں واعظین کا ذکر ایک مستقل فصل میں کیا ہے۔ان واعظین کی وجہ سے نثر کو معنوی لحاظ سے کافی ترقی ہوئی کیونکہ یہ لوگ معنی آفرینی کے ساتھ دقیق نکات،منتخب الفاظ اور حسن اسلوب کے ساتھ کلام پیش کرتے تھے۔ان واعظوں میں سب سے زیادہ شہرت موسیٰ بن سیار اسواری،صالح مرّی،عمرو بن فائد اور قاسم بن یحییٰ ضریر کو حاصل ہوئی۔

4.4.2 توقیعات

توقیعات سے مراد وہ مختصر اور بلیغ نوٹ ہے جو توقیع نگار بادشاہ یا وزیروں کے سامنے پیش کرتا تھا رعایا کی درخواست پر لکھ کر یا خود خلیفہ اور وزیر یہ نوٹ لکھتے تھے۔خلفا میں سفاح، منصور اور ابن المعتز اور ان کی توقیعات مشہور ہیں۔ان کے علاوہ جعفر بن یحییٰ برمکی (م ۸۰۳) فضل بن سہل (م ۲۰۳ھ) احمد بن ابوطاہر طیفور (م ۲۸۰ھ) کو مہارت حاصل تھی، بہت سے لوگ توقیع میں کوئی آیت یا شعر بھی لکھ دیا کرتے تھے۔

4.4.3 مراسلات

اس کے علاوہ اخوانیات کے متعلق مراسلت کو بھی بیحد ترقی ہوئی اس قسم کے مراسلت میں ان لوگوں کے جذبات واحساسات کی ترجمانی ہوتی تھی جو،شوق،خوف،مدح، ہجو،عتاب،اعتذار،تہنیت یا تعزیت کے مفہوم کے حامل ہوتے تھے۔اموی دور میں یہ مضامین اشعار کے ذریعہ ادا کئے جاتے تھے لیکن عباسی دور میں نثر کا دائرہ وسیع ہوجانے کے بعد ان مضامین کو نثر میں ادا کرنا ممکن ہوگیا۔اس قسم کے رسائل میں تعزیت کے موضوع پر رسائل کی کثرت ہے۔عتاب میں ادیب مہذب انداز میں اپنے غصہ کا اظہار کرتا تھا۔اس کی بہترین مثال ابن عمی د (م ۳۶۰ھ) کے اس رسالہ میں دیکھی جاسکتی ہے جو اس نے ابن بلکا کو رکن الدولۃ کی نافرمانی پر لکھا تھا۔ یہ رسائل (خطوط) کبھی تفریحی مجلس وقت گذاری،کبھی محض ملاقات اور وقت گذاری اور کبھی مبارکباد دینے کے لئے بھی استعمال کئے جاتے تھے۔اس دور کے رسائل کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عباسی دور کے ادبا ان تمام اصناف سخن کو اپنے رسائل میں استعمال کرتے تھے جنہیں شعرا نے اختیار کیا تھا حتیٰ کہ فطری مناظر کی عکاسی کے لئے بھی ان کا استعمال ہوا ہے۔

دیوانی مراسلہ نگاروں میں عمارۃ بن حمزۃ،مسعدۃ بن سعد، یحییٰ برمکی،ابراہیم بن عباس صولی،جعفر بن یحییٰ برمکی،محمد بن عبدالملک الزیات،سلیمان بن وہب اور حسن بن وہب وغیرہ مشہور ہیں۔

4.4.4 مناظرے

اس دور میں مناظروں کا بھی دور دورہ رہا۔ابوالہذیل علاف (م ۲۲۷ھ) نظّام (م ۲۲۱ھ) واصل بن عطا (م ۱۳۱ھ) اور عمرو بن عبید (م ۱۴۳ھ) زیادہ شہرت کے حامل تھے۔ان متکلمین نے اس زمانہ میں کوئی ایسی چیز نہ چھوڑی جس میں شک وشبہ اور بحث ومباحثہ کی گنجائش نہ ہو۔جاحظ نے کتاب البیان والبنیین اور کتاب الحیوان

حاصل کریں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ کس طرح ایک متکلم اپنے مخالف کو زور بیان کی وجہ سے اپنی بات منوانے اور اسے ساکت کرنے میں مہارت حاصل کرسکتا ہے اور کس طرح وہ اپنے طرز بیان، منتخب الفاظ اور حسن ادا سے سامعین کو متاثر کرسکتا ہے۔ جاحظ کی کتاب الحیوان کا مطالعہ کرنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ایسا موضوع نہ ملے گا کہ جس سے انہوں نے تعرض نہ کیا ہو۔ یہ لوگ اپنے شاگردوں کو بھی مناظرے کی مشق کرواتے تھے جس میں وہ ان کی حرکات وسکنات، الفاظ واقوال، اشارے واصوات، قیاس وعلل اور طریقہ استدلال کو جانچتے تھے اور ان کی خامیوں کی طرف اشارہ بھی کرتے تھے۔ ان متکلمین کے طفیل عربی زبان کے اسلوب میں بقول شوقی ضیف ''اس قدر لچک پیدا ہوگئی کہ وہ دقیق معانی کی ادائیگی پر قادر ہوگئی اور عباسی طرز اظہار کے بلیغ نمونے تخلیق کیے..... دوسری صدی کے سبھی بڑے ادیب خواہ ان کا تعلق ابن المقفع جیسے مترجم کی جماعت سے ہو یا سہل بن ہارون کے گروہ سے سبھی اسی فصیح وبلیغ اسلوب کا استعمال کرتے تھے یہاں تک کہ یہ اسلوب جاحظ کے پاس آکر اوج کمال کو پہنچ جاتا ہے''۔

4.4.5 علوم لسانیہ

4.4.5.1 نحو

جس وقت عباسی دور کا آغاز ہوا اس وقت علم نحو مساجد میں پڑھایا جاتا تھا، کتابوں کی تدوین ہو رہی تھی اور نحو کے اصول وضوابط مرتب کئے جا رہے تھے نحو میں بصرہ اور کوفہ کو دیگر علاقوں پر سبقت حاصل تھی اور اول الذکر کو کوفہ پر فوقیت اس اعتبار سے حاصل تھی کہ بصرہ کے علما نے نحو کے قواعد واصطلاحات کو علمی صورت میں مدون کیا۔ نحو کا بانی ابوالاسود دولی (م ۶۹ھ) بھی خود بصرہ کا رہنے والا تھا۔ بصرہ کے دیگر اولین نحویوں میں عبداللہ ابن اسحٰق حضرمی (م ۱۱۷ھ) عیسی بن عمر ثقفی (م ۱۴۹ھ) کے نام آتے ہیں۔ علم نحو پر سب سے پہلی تصنیف جو منظر عام پر آئی وہ عبداللہ بن اسحٰق حضرمی (م ۱۱۷ھ) کی تھی۔ جس شخص نے نحوی مسائل کو واضح کر کے قیاس وسعت کے ساتھ اور نحوی مسائل کے ابواب کو مرتب ومہذب کیا وہ ''الکتاب'' کا مولف سیبویہ (م ۱۸۰ھ) ہے۔ اس کی کتاب کو بلاشبہ عربی ذہن وفکر کا ایک زندہ معجزہ شمار کیا جاتا ہے جس میں نحو کا ابتدائی سرمایہ محفوظ کیا گیا ہے۔ اس میں سیبویہ نے خلیل (م ۱۷۵ھ) کی آراء کا ذکر کرتے ہوئے تقریبا ۳۷۰ مقامات پر اس کا نام لیا ہے۔ اسی وجہ سے علما یہ کہتے ہیں کہ دراصل خلیل اس عظیم علم کی عمارت کا بانی ہے۔ علم نحو میں کوفی اور بصری دو الگ الگ مکتب فکر تھے، بصری مکتب فکر عربوں کے معروف استعمال پر اعتماد کرتے ہوئے قیاس پر توجہ دیتا تھا جبکہ کوفی مکتب فکر کا زیادہ تر اعتماد صرف سماع پر ہوا کرتا تھا ان کے یہاں شاذ ونادر سماع کو بھی قیاس پر فوقیت حاصل تھی۔

کوفہ کے قدیم نحویوں میں ابوجعفر رواسی (م ۱۸۷ھ) معاذ بن مسلم ہرّاء (م ۱۸۷ھ) الکسائی (م ۱۸۹ھ) الفراء (م ۲۰۷ھ) ہیں۔ مورخین ادب کی آراء کے مطابق کوفی علما کی شہرت اور ناموری عباسی خلفا کی سرپرستی کی رہین منت ہے۔ ''اگر یہ سرپرستی نہ ہوتی تو نہ کوفیوں کا نام ونشان ہوتا نہ ان کا کوئی قول نقل کیا جاتا''۔

4.4.5.2 لغت نویسی

ان تمام سیاسی اور سماجی تبدیلیوں سے جن کی طرف شروع میں اشارہ ہو چکا ہے عربی زبان متاثر ہوئی۔ بولنے میں اعراب کی غلطیوں کی درستگی کے لئے علماء نے وہ قوانین نحو بنائے جن سے ان خامیوں کا ازالہ ہو سکے لیکن اس سے بھی زبان پوری طرح درست نہیں ہوئی لہٰذا وہ عربی زبان اور کتاب اللہ کی حفاظت کے لئے الفاظ اور اشعار جمع کرنے پر متوجہ ہوئے۔ اس توجہ کا اہم سبب یہ تھا کہ جو قومیں اسلام میں داخل ہوئی تھیں انہیں عربی زبان سیکھنے کی ضرورت تھی، فصیح زبان کے علاوہ عربی زبان کے دوسرے لہجوں کا رواج بڑھ گیا تھا۔ دیگر زبانوں کے الفاظ نے اس میں جگہ پائی، فلسفہ وطب کے لئے علمی اصطلاحات یونانی اور سنسکرت سے آئے تو فنی اور کاروباری الفاظ کا ذخیرہ فارسی سے حاصل ہوا۔ غرض یہ کہ اس وسعت کی وجہ سے ان لوگوں کے یہاں جن کی مادری زبان عربی نہیں تھی غلطیاں زیادہ ہونے لگیں۔ عباسی دور کے علما نے عربی زبان کے تحفظ کے لئے الفاظ واشعار کو جمع کرنے کا کام شروع کیا اور جن قبائل پر اعتماد کیا گیا وہ بنو قیس، بنو تمیم اور بنو اسد کے لوگ تھے۔ لغت کا بیشتر حصہ انہیں سے ماخوذ ہے اس کے بعد بنو ہذیل، بنو کنانہ اور بنو طے کا درجہ ہے۔ دیگر قبائل کی زبان اور لہجات پر اس لئے اعتماد نہیں کیا گیا کہ غیر عربوں سے قربت کی وجہ سے ان کی زبان بگڑ چکی تھی۔

الفاظ لغت کی روایت کے سلسلہ میں سند کا اہتمام ہونے لگا تو محدثین کے معیار جرح وتعدیل سے مدد لی گئی، علمائے لغت عربوں کے اقوال اشعار اور امثال بطور استدلال نقل کرتے تھے۔ خلیل بن احمد (م ۱۷۵ھ) پہلا شخص تھا جس نے لغت کی تدوین میں اہم خدمات انجام دیں۔ علم عروض کی بنیاد بھی اسی کے ہاتھوں پڑی اور پندرہ بحروں کے اوزان کو اس نے مرتب کیا۔

خلیل بن احمد کا سب سے بڑا کارنامہ ''کتاب العین'' ہے۔ اس کے بعد علم لغت اور نحو میں جتنی کتابیں لکھی گئیں ان میں اس سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی تصانیف میں کتاب العروض، کتاب النغم، کتاب الشواھد، کتاب النقط و الشکل اور کتاب الایقاع ہیں۔ اس دور کے دیگر لغویوں میں مورج السدوسی (م ۱۹۵ھ) مؤلف کتاب الانواء، غریب القرآن، جماھیر القبائل اور کتاب المعانی ہے۔ النضر بن شمیل (م ۲۰۳ھ) خلیل کے شاگردوں میں سے تھا اور قبیلہ بنو تمیم سے اس کا تعلق تھا عرصے تک صحرا نورد قافلوں کے ساتھ رہا۔ اس کی متعدد کتابوں میں سے صرف ''کتاب غریب الحدیث'' کا علم ہو سکا ہے۔ محمد بن المستنیر ابو علی قطرب (م ۲۰۶ھ)

سیبویہ کے شاگردوں میں سے تھا اس کی تالیفات میں کتاب ''الاضداد'' اور ''الازمنة'' معروف ہیں۔ دوسری اور تیسری صدی کے دیگر علما میں ابوعمرو بن العلاء (م ۱۵۴ھ)، اصمعی (م ۲۱۳ھ)، ابوزید انصاری (م ۲۱۴ھ)، ابوعبیدہ (م ۲۱۰ھ) اور ابن الاعرابی (م ۲۳۱ھ) نے بھی فن لغت میں کافی شہرت حاصل کی۔

بعض علمائے لغت اپنے املاء میں عربوں کے اقوال، اشعار اور حکایات مدون کیا کرتے تھے جیسے مجالس ثعلب الکوفی (م ۲۹۱ھ) اور بعض مؤلفین کسی ایک موضوع پر الفاظ جمع کرتے تھے جیسے ابن السکیت (م ۲۴۳ھ) کی کتاب المذکر و المؤنث اور ابوحاتم سہل بن محمد بن عثمان سجستانی بصری (م ۲۵۰ھ) کی کتاب النخل اور کتاب الطیر، ابن درید (م ۳۲۱ھ) کی کتاب الجمهرة فی اللغة، ازہری (م ۳۷۰ھ) کی التهذیب فی اللغة، جوہری (م ۳۹۳ھ) کی الصحاح، ابن سیدہ (م ۴۸۵ھ) کی المحکم اور ابن فارس (م ۳۹۵ھ) کی المجمل اور اس قبیل کی دیگر کتابیں معروف ہیں۔

4.4.5.3 بلاغت وبیان

سب سے پہلے علم بیان پر جس نے کچھ بحث کی وہ ابوعبیدہ ہے جس کی تصنیف مجاز القرآن ہے جس میں تقدیم، تاخیر، تشبیہ، کنایہ اور استعارہ وغیرہ بلاغی خصائص کو بیان کیا ہے۔ عباسی دور میں دیگر اقوام کے بلاغی نظریات سے واقف ہونے کے بعد ان میں اضافے ہوئے۔ ابن قتیبہ نے اپنی تصنیف ''تاویل مشکل القرآن'' میں اسلوب وبیان کی مختلف خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مبرد نے ''الکامل'' میں تشبیہ وکنایہ پر روشنی ڈالی اور جاحظ نے اپنی تمام تر کوشش صرف کر کے کتاب البیان و التبین لکھی۔ اس کتاب کے فضل کو کوئی دوسری کتاب نہیں پہنچ سکی۔ ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) قدماء کا قول نقل کر کے اس کتاب کے متعلق لکھتا ہے کہ ''ہم نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے کہ فن بلاغت کے اصول وارکان پر چار کتابیں مستند ہیں: (۱) ابن قتیبہ کی ادب الکاتب (۲) مبرد کی الکامل (۳) جاحظ کی کتاب البیان و التبیین اور (۴) ابوعلی القالی (م ۳۵۶ھ) کی کتاب النوادر۔ جاحظ کی اتباع کرتے ہوئے قدامہ بن جعفر، ابن درید اور ابوہلال عسکری (م ۳۹۵ھ) کی تصانیف منظر عام پر آئیں۔ اس فن کو مستقل درجہ دینے میں جن کی فضیلت مسلم ہے وہ عبدالقاہر جرجانی (م ۴۷۱ھ) اور ابویعقوب سکاکی (م ۶۲۶ھ) ہیں۔ سکاکی نے معانی کو بیان سے الگ کر کے انہیں دو مستقل علوم قرار دیا۔ علم بدیع میں سب سے پہلی تصنیف ابن المعتز کی (م ۲۳۶ھ) ''کتاب البدیع'' ہے جس نے اس علم کی سترہ قسموں کا ذکر کیا ہے یہ کتاب ۱۹۳۵ء میں روسی مستشرق اگناٹیوس کراچوسکی نے انگریزی مقدمہ کے ساتھ شائع کی ہے۔ ابن المعتز کے ہم عصر قدامہ بن جعفر نے بدیع کی بیس قسمیں بتائی پھر دیگر لوگوں نے اس میں مزید اضافے کیے حتی کہ ابن حجہ حموی (م ۸۳۷ھ) کی تالیف خزانة الادب میں ایک سو بیالیس اقسام کا ذکر ہے۔

4.4.5.4 تاریخ نویسی

اموی دور کے اواخر اور عہد عباسی کے اوائل میں ہی تاریخ نویسی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا مگر اس وقت یہ سلسلہ دینی حدود میں محدود اور اس کے فروعی تقاضوں کے تحت رونما ہوا تھا۔ مغازی، فتوحات، انساب، طبقات اور ایام عرب الگ الگ موضوعات تھے۔ مندرجہ بالا فنون پر مشہور اصحاب قلم میں ابن اسحٰق (م ۱۵۱ھ)، واقدی (م ۲۰۷ھ)، ابن سعد (م ۲۳۰ھ)، کلبی (م ۲۰۶ھ) اور اصمعی (م ۲۱۶ھ) ہیں۔ عباسی دور کے دوسرے حصہ میں تاریخی تصانیف کو مزید فروغ حاصل ہوا۔ سیرت نبوی، اسلامی تاریخ، دیگر حکومتوں، قوموں اور شہروں کا احوال، تراجم اور طبقات پر کتابیں لکھی گئیں۔ ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) نے اپنی مبسوط تاریخ میں واقعات کو سن وار درج کیا اور اس میں ۳۰۲ھ تک کے واقعات کا تذکرہ کیا۔ اسلامی واقعات، قوموں اور حکومتوں کی تاریخ سے متعلق یعقوبی (م ۲۹۲ھ) تاریخ بہت مشہور ہے۔ بلاذری (م ۲۷۹ھ) کی فتوح البلدان، ابوحنیفہ دینوری (م ۲۸۲ھ) کی الاخبار الطوال، ابوزید بلخی (م ۳۲۲ھ) کی البدء و التاریخ، مسعودی (م ۳۴۵ھ) کی مروج الذهب اور التنبیه و الاشراف، ابن ندیم (م ۳۸۵ھ) کی الفہرست اور ابن مسکویہ (م ۴۲۱ھ) کی تجارب الامم مصادر و مآخذ کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی اتباع کرتے ہوئے بعد میں اضافے اور ضمیمے تیار کیے گئے۔ چنانچہ اس عہد کا آخری بڑا مورخ ابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) ہے جس نے اپنی کتاب الکامل کو طبری کی تاریخ اور اس کے ضمیموں کی مدد سے تفصیل کے ساتھ لکھا اور ۶۲۷ھ تک کے واقعات کا اس میں تذکرہ کیا ہے۔

اس وقت عربوں میں تاریخ نویسی کے دو طریقے تھے ایک تو سن درج کر کے اس کے تحت واقعات درج کر دیئے جاتے تھے ان کا تعلق خواہ کسی مقام یا خواہ کسی حکومت سے ہو اس طریقہ میں نہ تو واقعات کی ترتیب میں تسلسل برقرار رہتا نہ ہی عبارت میں ربط ہوتا تھا اور دوسرا طریقہ قوموں اور حکومتوں کی تاریخ ان کے ادوار کی ترتیب سے لکھنے کا رواج تھا۔ اول الذکر طریقہ ابن جریر طبری، ابن اثیر جزری (م ۶۳۰ھ) اور ابوالفداء (م ۷۳۲ھ) کے یہاں پایا جاتا ہے۔ اور ثانی الذکر طریقہ مسعودی، ابن الطقطقی (م ۷۰۹ھ) ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) اور ابن العبری (م ۱۲۸۶ء) کے یہاں ملتا ہے۔ سیاسی وجوہات انہیں تنقید سے باز رکھتی تھیں اور حقائق کا کھوج لگائے بغیر وہ حوادث نگاری پر اکتفا کرتے تھے۔ اقوام کی تاریخ لکھتے وقت ان کے اقتصادی، اجتماعی اور ادبی احوال کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے تھے۔

4.4.6 علوم شرعیہ

4.4.6.1 علم قرأت

قرآن کریم کو صحابہ نے بالمشافہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا۔قرآن قریش کی زبان اوران کے لہجے میں نازل ہوا تو عرب کے دیگر قبائل قلیل مدت میں اپنی زبانی خصوصیت اور لہجوں کو بدلنے پر قادر نہ تھے۔آپ ﷺ نے لوگوں کی سہولت اور قرآن کی تلاوت کو آسان بنانے کے لئے ان کے تمام پڑھنے کے طریقوں کو برقرار رہنے دیا تھا۔مفتوحہ علاقوں کے وسیع ہونے اور نئے نئے فرقوں کے وجود میں آنے سے جب زبان میں فساد پیدا ہوگیا،تو پہلی صدی میں ایک جماعت نے تمام قراءتوں کو قلم بلند کرنے کا بیڑا اٹھایا اور مندرجہ ذیل اصحاب کی قرأت اوران سے متعلق کتابوں کے مطالعہ کے بعد سات قرأت کو منتخب کیا گیا۔

مدینہ میں نافع بن نعیم (۱۶۹ھ) کی قرأت،مکہ میں عبداللہ بن کثیر (م۱۲۰ھ) کی قرأت،کوفہ میں عاصم (م۱۲۰ھ)،حمزہ (م۱۸۴ھ) اور کسائی (م۱۸۹ھ) کی قرأت اور بصرہ میں ابوعمرو بن العلاء (م۱۵۴ھ) کی قرأت اور دمشق میں عبداللہ بن عامر (م۱۱۸ھ) قرأت رائج ہوئی۔ان سب کو بغداد کے امام القراء ابوبکر بن موسیٰ بن مجاہد تمیمی (م۳۲۴ھ) نے اپنی ''کتاب السبعة''جمع کیا ہے۔ان کے علاوہ تین قراءتیں اور بھی ہیں جو صحت اور تواتر میں ان کے بعد کا درجہ رکھتی ہیں وہ ابوجعفر مدنی (م۱۳۰ھ)،یعقوب بن اسحٰق حضرمی (م۲۰۵ھ) اور خلف بن ہشام (م۲۲۹ھ) کی قرأتیں ہیں جو مشہور اور متداول ہیں۔ان دس کے علاوہ باقی تمام قراءتوں کا شمار شواذ میں ہوتا ہے۔

4.4.6.2 تفسیر

تفسیر بالماثور کی ابتداء بھی عباسی دور میں ہوئی،حضرت ابی بن کعب،عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے تفسیری اقوال کو ان کے تلامذہ کی روایتوں سے مفسرین نے جمع کرنا شروع کیا۔تفسیر کے چار مذاہب سامنے آئے۔تفسیر بالماثور،تفسیر بالرائے،شیعی تفسیر اور صوفی تفسیر۔تفسیر بالماثور کا بڑا حصہ امام طبری کے ہاتھوں ان کی کتاب میں محفوظ ہوا۔انہوں نے آیات قرانیہ سے متعلق صحابہ اور تابعین سے منقول روایات کو اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے۔اس میں اسرائیلیات کم ہے،آیات کی مختلف قراءتوں کا ذکر،الفاظ کی لغوی تشریح کے لئے جاہلی اور اسلامی دور کے اشعار سے استشہاد ہے۔الفاظ کی مختلف تشریحات میں ترجیح کو بیان کیا گیا ہے۔معتزلہ نے اپنے مسلک کے مطابق قرآن کی تفسیر میں عقلیات پر اعتماد کیا ہے اور تفسیر بالماثور پر تنقیدیں کی ہیں۔اس سلسلہ کی پہلی تفسیر ابوبکر الاصم کی کتاب ہے جو مفقود ہے۔دوسری تفسیر ابوعلی جبائی (م۳۰۳ھ) کی ہے جو قاہرہ سے شائع ہوئی ہے اور اس میں معتزلہ کی کم وبیش تمام تاویلات کا ذکر ہے۔کہا جاتا ہے زمخشری نے اپنی تفسیر میں اس سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

معتزلہ کے برعکس شیعہ اور صوفیا اعتقادی تاویلات پر عامل تھے۔شیعہ حضرات کے یہاں سب سے پہلی تفسیر امام جعفر صادق (م۱۴۸ھ) کی جانب منسوب ہے اور دوسری تفسیر حسن عسکری (م۲۶۰ھ) کی جانب منسوب ہے جو امامیہ کے ظاہری اماموں میں آخری امام تھے۔صوفیاء کی تفسیر میں شیعہ حضرات کی طرح بعید از حقیقت تاویلات تو نہیں ہے تاہم انہوں نے اپنے بعض نظریات بعض آیات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ان میں سب سے قدیم تفسیر سہل تستری (م۳۸۳ھ) کی ہے۔عباسی دور میں تفسیر کے علاوہ بہت سے علوم قرآنیہ کی نشو ونما ہوئی جنکا ذکر ابن ندیم کی کتاب ''الفہرست''میں ہے۔

4.4.6.3 حدیث

احادیث نبوی کے تلف ہونے یا اس میں موضوع احادیث ملنے کے خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے اموی حکمرانوں نے تدوین حدیث کا کام شروع کروایا۔حضرت عمر بن عبدالعزیز (م۱۰۱ھ) کے بعد عباسی خلیفہ منصور پہلا شخص ہے جس نے احادیث کی تدوین کا اہتمام کیا۔اسے خوف تھا کہ اصحاب حدیث کے اٹھ جانے کے بعد احادیث رسول ﷺ ضائع نہ ہوجائیں لہٰذا اس نے امام مالک کو تدوین حدیث کے لئے کہا۔اس کی خواہش پر عمل کرتے ہوئے امام مالک (م۱۷۹ھ) نے''مؤطا''تیار کی جس کی ترتیب فقہی ابواب کے مطابق ہے اور ہر باب میں حدیث نبوی کے ساتھ اقوال صحابہ وتابعین اور خود امام مالک کے فتاوی مذکور ہیں۔یہ کتاب امام مالک کے ۴۰ سال کے املا کا مجموعہ ہے اور اس طویل عرصہ میں اس میں انہوں نے حذف واضافہ کیا تھا اس لئے اس کتاب کی مختلف روایتیں ہیں۔دوسری صدی کے اواخر میں ایک اور طریقہ حدیث کی تدوین کا عمل میں آیا جس میں احادیث کی ترتیب فقہی ابواب کے بجائے روایت کرنے والے صحابی پر ہوتی تھی اسے''مسند''کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔مسانید میں سب سے زیادہ شہرت''مسند احمد'' امام احمد بن حنبل (م۲۴۱ھ) کی ہے۔

اپنے مقصد کی برآوری کے لئے بہت سے گمراہ لوگوں نے جھوٹی احادیث کو راویان حدیث کی جانب منسوب کرکے حدیث بنالیا تب ائمہ حدیث نے جھوٹ کو سچ سے الگ کرنے کے لئے فن جرح وتعدیل کی بنیاد ڈالی اور اس موضوع پر سب سے پہلے اسحٰق بن راہویہ (م۲۳۸ھ) نے قلم اٹھایا۔ان کے بعد امام بخاری (م۲۵۶ھ) اور امام مسلم (م۲۶۱ھ) آئے اور انہوں نے اپنی کتابوں احادیث صحیحہ کے جمع کا اہتمام کیا ان دونوں کے مرتب کردہ مجموعوں کو''صحیحین''کہا جاتا ہے۔ان کے بعد مندرجہ ذیل چار مجموعے منظر عام پر اسی زمانہ میں آئے،امام ترمذی (م۲۷۹ھ) کی سنن ترمذی،امام ابوداود (م۲۷۵ھ) کی سنن ابی داود،امام نسائی (م۲۷۵ھ) کی سنن نسائی اور ابن ماجہ (م۲۷۳ھ) کی سنن ابن ماجہ۔اس طرح مذکورہ بالا مجموعے صحاح ستہ کہلائے۔ان کے بعد حدیث کے موضوع پر جس قدر تصانیف ہوئیں ان کا دارومدار انہیں پر ہے

4.4.6.4 فقہ

علم فقہ کی باضابطہ تدوین عہد عباسی کی مرہون منت ہے گو کہ اسلامی دور کے اوائل میں اس کی داغ بیل پڑ چکی تھی اور مدینہ منورہ فقہا ومحدثین کا مرکز اور طالبان حدیث کا قبلہ بنا ہوا تھا۔ وہ چار فقہی مذاہب جنھوں نے پورے عالم میں مقبولیت حاصل کی اس دور کی یادگار ہیں۔ امام ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ)، امام مالک (م ۱۷۹ھ)، امام شافعی (م ۲۰۴ھ) اور امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کے قائم کردہ مذاہب کو ہی کتاب وسنت کی بنیاد پر قائم سمجھا جاتا ہے۔

4.4.7 فلسفہ

اسلامی تعلیمات کی آزادی فکر کے درس کے نتیجہ میں غیر عربوں سے اختلاط اور ہندی و یونانی علوم کے تراجم کی وجہ سے مذہب سے متعلق شکوک وشبہات کی آگ بھی اسی دور میں زیادہ بھڑکی۔ اشاعرہ، معتزلہ، قدریہ، جبریہ اور جہمیہ وغیرہ جیسے فرقے اس دور کی پیداوار ہیں۔ مامون کے زمانہ میں معتزلہ کا مذہب خوب پھیلا اور خلق کے قرآن کے مسئلہ نے اہل سنت اور معتزلہ کے درمیان جنگ وجدل کی آگ بھڑکائی۔ یونانی فلسفہ کے تراجم، دیگر مذاہب کے اعتراضات اور ان کے علما کے مناظروں نے اہل اسلام کو جھنجھوڑ دیا۔ معتزلہ کو فلسفہ کے بدولت ایک ہتھیار مل گیا جس کی مدد سے وہ اہل سنت سے مناظرے کرتے تھے اور اہل سنت نے معتزلہ کے خلاف محاذ قائم کرلیا تھا چنانچہ اس کش مکش کے نتیجہ میں علم کلام وجود میں آیا جو عربی فلسفہ کی تمہید تھا۔ مامون، معتصم اور واثق کے دور میں فلسفیوں کی طاقت خفیہ رہی کیونکہ انہوں نے فلسفیوں کی بڑھتی طاقت کو دبایا اور ان پر کڑی پابندیاں لگائیں لیکن زیرزمین ان کی سرگرمیاں جاری رہیں اور فلاسفہ کی وہ جماعت جو ''اخوان الصفاء اور خلان الوفاء'' کے نام سے معروف تھی اس نے پچاس گمنام رسائل لکھے جن تمام میں عربی اور یونانی فلسفہ کے نچوڑ کر جمع کر دیا تھا۔ اس طرح لوگوں کے دلوں میں فلسفہ کو قبول کرنے کی راہ ہموار ہوئی۔ جب ۳۴۳ھ میں بغداد پر بنویہ کا قبضہ ہو گیا، جو شیعہ تھے، تو فلسفہ نے پھر سر اٹھایا کیونکہ ان کا قبضہ اسی صورت میں برقرار رہتا کہ اہل سنت کا زور ختم کیا جائے۔

عرب کا سب سے پہلا فلسفی یعقوب بن اسحٰق کندی (م ۲۴۶ھ) ہے جو جاحظ کا ہم عصر تھا۔ طب، فلسفہ، حساب، منطق، ہندسہ، علم نجوم اور موسیقی میں اسے کمال حاصل تھا۔ اس کی جانب دوسوتیس سے زیادہ کتابیں منسوب ہیں۔ وہ ارسطو کا مقلد تھا اور یونانی سے ترجمہ کرنے میں اسے مہارت حاصل تھی۔ دوسرا شخص ابونصر فارابی (م ۳۳۹ھ) ہے جس نے ''السیاسیة المدنیة'' کے نام سے ایک کتاب لکھی اور منصور بن نوح کے ایک رسالہ کے جواب میں اس نے ایک کتاب ''التعلیم الثانی'' لکھی۔ اس کی بیش تر تصانیف جو مروجہ علوم کے تمام شعبہ جات پر مشتمل ہیں یورپ میں ان سے بہت استفادہ کیا گیا۔ فلسفہ میں اس کی خدمات کے صلہ میں اس وقت کے علمانے اسے ''المعلم الثانی'' کا لقب دیا۔ ''المعلم الاول'' ارسطو کا لقب ہے۔ فارابی کے بعد ابوعلی سینا (م ۴۲۸ھ) کا مقام ہے اس نے بھی ارسطو کے اصول اپنائے۔ اہل یورپ نے اس کی بیش تر تصانیف کا لاطینی میں ترجمہ کیا تھا۔ اس کی تصانیف میں سب سے زیادہ شہرت کتاب القانون اور کتاب الشفا کو ہوئی۔ ابن سینا کو الشیخ الرئیس کہا جاتا ہے۔

مسلم فلسفیوں میں امام غزالی (م ۵۰۵ھ) کی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، ان کی ایک کتاب تھافة الفلاسفة ہے جو یونانی فلسفیوں اور ان کی اتباع کرنے والوں کے رد میں ہے۔ دوسری کتاب مقاصد الفلاسفة بھی اسی موضوع پر ہے۔

4.5 نمائندہ نثر نگار اور نمونہ کلام

عہد عباسی میں نثر نگاران نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور عربی سرمایہ علم وادب میں کافی اہم، معتبر اور گرانقدر سرمایہ کا اضافہ کیا ہے۔ آئندہ سطور میں اس دور کے نمائندہ نثر نگاروں کی سوانحی جھلک، ان کے اسلوب اور فکری وفنی کاوشوں کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیا جا رہا ہے۔

4.5.1 ابن المقفع (۱۰۶-۱۴۲ھ)

یہ فارسی الاصل تھا اس کا نام روزبہ تھا، اس کا باپ داوٗذیہ ایران سے بصرہ آ گیا تھا اور حجاج بن یوسف کے زمانہ میں لگان وصول کرنے کے محکمہ میں ملازم تھا۔ کچھ مالی خرد برد کرنے کے جرم میں حجاج نے اسے اتنا مارا کہ اس کا ہاتھ خشک ہو گیا لہٰذا اسے مقفع کے لقب سے پکارا جانے لگا اور اس کا بیٹا ابن المقفع کہلایا۔ باپ تو مجوسی رہا لیکن بیٹے کی تربیت بچپن ہی سے اسلامی طریقہ پر ہوئی اور نوجوانی ہی میں اس نے فارسی اور عربی میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ خلیفہ منصور کے چچا عیسیٰ بن علی کے ہاتھوں اسلام قبول کیا اور اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔

اس کے قتل کے سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اسے زندیقیت کی وجہ سے قتل کیا گیا، اس کو قرآن کا مقابلہ کرنے اور زندیقوں کی کتابوں کا ترجمہ کرنے کی وجہ سے قتل کیا گیا اور اس پر الحاد کا الزام تھا اور یہ کہ وہ محض دنیوی نفع کی خاطر مسلمان ہوا تھا چنانچہ ایک مرتبہ جب مجوسیوں کے آتش کدہ کے پاس سے گذرا تو اس نے یہ دو اشعار پڑھے تھے:

إنـــي لأمـنـحك الـصـدود وإنـنـى　　　قسـمــا إليك، مـع الـصـدود لأميل

(اے عاتکہ کا گھر جس سے میں دشمنوں کے ڈر سے کنارہ کشی کر رہا ہوں مگر میرا دل تیرے ہی حوالہ ہے۔تجھ سے بظاہر میں بے رخی کا اظہار کر رہا ہوں لیکن اس (بظاہر) اعراض کے (بباطن) میں تیری طرف مائل ہوں)

بعض حضرات کا خیال ہے اس کے قتل کی وجہ عیسیٰ بن علی کے بھائی اور منصور کے چچا عبداللہ بن علی کے سلسلہ میں امان نامہ تحریر کرنے میں خلیفہ کے لئے جس طرح کے سخت الفاظ کا استعمال کیا تھا وہی اس کی موت کا سبب بنا۔خلیفہ کے اشارے پر سفیان بن معاویہ نے جو ابن المقفع کا دشمن تھا اس کے اعضا و جوارح کاٹ کر دہکتے ہوئے تنور کی نذر کر دیا۔غالب گمان یہ ہے کہ اس کے قتل کی صحیح وجہ یہی ہے۔یہ واقعہ ۱۴۲ھ،۱۴۳یا ۱۴۵ ہجری کا ہے۔ابن المقفع کی عمر اس وقت ۳۶ سال تھی۔

ابن المقفع عربی اور فارسی دونوں زبانوں سے خوب واقف تھا اپنی ذکاوت و ذہانت اور وسعت معلومات کی بنا پر اس دور کی عربی اسلامی، فارسی، ہندی اور یونانی ثقافت کا جامع تھا۔اصلاح معاشرت کے نقطۂ نظر سے جس چیز کو اس نے مفید سمجھا پہلوی اور دیگر زبانوں سے عربی میں منتقل کر دیا۔پہلوی زبان سے ترجمہ کی کتابیں اخلاقی تعلیمات کے لئے مشہور ہیں جیسے الادب الـصغیر، الأدب الكبير، اليتيمة، رسالة الصحابةکا شمار اہم کتب میں ہوتا ہے۔اس کے علاوہ اس نے ارسطو کی کتاب المقولات اور ہندی ادب سے ترجمہ شدہ کتاب كليلة ودمنة بطور یادگار چھوڑی ہیں۔

ابن المقفع کا شمار اپنے دور کے عظیم انشاپردازوں میں ہوتا ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ اس نے عربی زبان کے اصل مقومات کو باقی رکھتے ہوئے دیگر زبانوں کے تخیل وتصور اور عربی ذوق کے درمیان ہم آہنگی پیدا کی۔وہ نہایت ذکی اور دانا شخص تھا۔اس کا کلام پر شکوہ، سنجیدہ اور انتہائی آسان اسلوب پر مشتمل ہوتا تھا۔ایک مرتبہ کسی نے اس سے بلاغت کے متعلق سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ ''بلاغت کی تعریف یہ ہے کہ جب اسے جاہل سنے تو یہ سمجھے کہ وہ بھی اس طرح کا کلام کہہ سکتا ہے''۔وہ اپنے ساتھیوں سے کہا کرتا تھا کہ ''سوقیانہ الفاظ سے دامن بچا کر سہل الفاظ کا استعمال کرو''۔

ابن المقفع کا اسلوب فصاحت و بلاغت، سہل پسندی اور وضاحت پر قائم ہے۔اس اسلوب کی خاصیت یہ تھی کہ اس میں الفاظ سے معانی جھلکتے تھے،اس کے یہاں نامانوس اور غریب الفاظ کے استعمال سے اجتناب پایا جاتا ہے،عمدہ الفاظ کا انتخاب، ایجاز واختصار اس کی تخلیقات کو ممتاز بناتی ہیں۔اس کے یہاں قصوں اور کہانیوں کو اہم درجہ حاصل ہے۔یہ قصے کبھی جانوروں اور کبھی انسانوں کی زبان میں بیان کئے جاتے ہیں۔قصے کہانی یا ضرب الامثال پیش کرنے کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ اس کی باتیں قاری کو ذہن نشین ہو جائیں۔افہام وتفہیم کے معاملہ میں وہ قاری کو کمی کا احساس نہیں ہونے دیتا ہے۔لغو اور فضولیات سے پرہیز کرتے ہوئے اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ قاری اس کی باتوں سے متاثر ہو۔

کہا جاتا ہے کہ عربوں میں خلیل بن احمد اور اہل عجم میں عبداللہ بن المقفع سے زیادہ کوئی ذہین نہیں ہوا۔جعفر بن یحیٰی کے اس قول میں بھی صداقت ہے کہ عبدالحمید اور سہل بن ہارون درخت کی شاخوں کے مانند ہیں، ابن المقفع پھل اور احمد بن یوسف پھول کی طرح ہیں۔فصاحت و بلاغت، اسلوب تحریر، اختراع معانی اور جدت پسندی میں ابن المقفع کو اہم مقام حاصل ہے۔علوم عربیہ کے علاوہ فارس، ہندوستان اور یونان کے علوم میں اسے مہارت حاصل تھی۔جاحظ نے روایت کیا ہے کہ نوجوان ادبا بلاغت سیکھنے اور اپنی زبان وفکر کو صیقل کرنے کے لیے اس کی تحریروں کا مطالعہ کرتے تھے۔

الحادو زندیقیت کے الزامات کے باوجود ابن المقفع لہو ولعب اور برائیوں سے دور رہتا تھا۔وہ اپنے معاصرین کی توجہ کا مرکز تھا۔ایک مرتبہ کسی نے اس سے سوال کیا کہ: ''من أدبك''(تم کو ادب کس نے سکھایا)اس نے جواب دیا'' نـفسـي، إذا رأيت من غيرى حسنا أتيته وإن رأيت قبيحا أبيته "(مجھے میرے نفس نے ادب سکھایا ہے، جب میں کسی کو اچھا کام کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو خود بھی اسے کرتا ہوں اور جب برا کام کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو اس سے پرہیز کرتا ہوں)۔

ترجمہ میں'كـــلـيـــلـة ودمـــنـة ''اس کا شاہ کار ہے۔اس ہندی تصنیف کا ترجمہ جس خوش اسلوبی اور مہارت کے ساتھ اس نے کیا ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے،صدیاں گذر گئیں لیکن اس کتاب کی اہمیت اور معنویت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

اس کی نثر کا نمونہ:

" لاتتـركـنَّ مباشرة جسيم أمرك، فيعود شأنك صغيرا ولا تلزم نفسك مباشرة الصغير فيصير الكبير ضائعا. واعلم أن رأيك لايتسع لـكـل شـئـى فـفـرّغه للمهم، وأن ليلك ونهارك لايستوعبان حاجتك وإن دأبت فيهما وانه ليس إلى أدائها سبيل مع حاجة جسدك إلى نصيبه من الدعة فأحسن قسمتهما بين دعتك وعملك، واعلم إنك ماشغلت من رأيك في غير المهم أزرى بالمهم وماشغلت من ليلك ونهارك في غير الحاجة أزرى بك في الحاجة"

(بڑے کام کی انجام دہی سے گریز نہ کرو ورنہ تمہاری شان کم تر ہو جائے گی اور چھوٹے کام میں برابر نہ لگے رہو ورنہ بڑا کام ضائع ہو جائے گا اور جان لو کہ تمہاری عقل ہر چیز کا احاطہ نہیں کر سکتی، اس لئے اسے اہم کاموں کے لئے خالی رکھو، اور رات و دن تمہاری ضرورت کو محیط نہیں ہو سکتے خواہ تم مسلسل کام کرو، اور ضرورت کی تکمیل کے لئے جسم کو آرام کی بھی حاجت ہوگی، اس لئے رات و دن کے کام اور آرام کی مناسب تقسیم کر لو۔ اور یاد رکھو اگر عقل کو غیر اہم چیزوں میں مشغول رکھو گے تو اس سے اہم چیز کو نقصان پہونچے گا۔ اور جس وقت کو بلا ضرورت گذارو گے ضرورت میں اس کا عیب تم کو لاحق ہوگا)

"ينبغي للعاقل أن لايغفل عن التماس مافي نفس أهله وولده وإخوانه و صديقه عند كل أمروفي كل لحظة وكلمة وعند القيام والقعود وعلى كل حال فان ذلك كله يشهد على ما فيي القلوب"

مشہور اموی انشا پرداز عبدالحمید یحیٰ کاتب کی صحبت، عباسی دور میں نشو ونما، فارسی ادب کا گہرا مطالعہ، ہندی اور یونانی ادب سے واقفیت اور عربی نثر و نظم کے وسیع مطالعہ نے ابن المقفع کے اسلوب کو نکھارنے میں مدد کی اور اس کا اسلوب "السهل الممتنع" کہلایا۔ ابن المقفع پہلا ادیب ہے کہ جس نے ایرانی ہندی اور یونانی حکمت سے عربی زبان و ادب کو آشنا کیا، اخلاقیات اور سیاست کے موضوع پر قلم اٹھایا اور اس انداز پر سب سے پہلا مترجم ہے۔ اس کا اسلوب جاحظ کی آمد تک مقبول عام رہا۔ افسوس ہے کہ یہ وہی صلاحیتوں والا ادیب صرف چھتیس سال کی عمر میں ہم سے چھین لیا گیا۔

4.5.2 سہل بن ہارون (م ۲۱۵ھ)

یہ بھی ابن المقفع کے مانند فارسی الاصل تھا۔ ابن الندیم کے قول کے مطابق بصرہ، واسط اور اہواز کے درمیان واقع "دستمیان" میں پیدا ہوا۔ بعض لوگوں نے اس کے گاؤں کا نام "میسان" لکھا ہے اور بعض کے خیال کے مطابق نیشاپور میں پیدا ہوا۔ تحصیل علم کے لئے بصرہ آیا پھر بغداد پہنچا۔ یحیٰ برمکی کا تقرب حاصل کر کے انشا و ترسیل کے محکمہ سے وابستہ ہوا، خلیفہ ہارون نے اسے "دار الحكمة" کا نگراں مقرر کیا تھا۔ ۱۸۷ء میں برامکہ کے زوال کے بعد فضل بن سہل کے ذریعہ مامون تک رسائی حاصل کی، اس کی لڑکی "بوران" مامون کے نکاح میں تھی۔ جب مامون نے "دار الحكمة" کو ایک بڑے اکیڈمی کی شکل دی تو اسے قبرص سے آنے والی فلسفہ کی کتابوں کے ترجمہ کا نگراں بنا دیا۔ اور مامون کے زمانہ میں علما اور متکلمین پر مشتمل جو علمی مجالس منعقد ہوتی تھی اس میں سہل پابندی سے شریک ہوتا تھا۔ دار الحكمة ہی کی ملازمت کے دوران ۲۱۵ھ میں اس کی وفات ہوئی۔

سہل بن ہارون کو نظم و نثر دونوں پر قدرت حاصل تھی اور اپنے زمانہ کے دیگر مروجہ علوم میں دستگاہ تھی۔ وہ اپنے زمانہ میں حکمت و بلاغت کے لئے مشہور تھا۔ جاحظ نے اس کی قادر الکلامی، خطابت، فصاحت و بلاغت اور ادبی مہارت کا اعتراف کیا ہے۔ اس نے اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ وہ سہل سے ملتا رہتا تھا اور اس نے اس کے نوادرات و لطائف بھی نقل کیے ہیں۔ اس کی اصل شہرت رسائل نگاری کی بنا پر ہوئی۔ اس کے متعدد رسائل کا تذکرہ ملتا ہے جس میں بخل وغیرہ کے بارے میں اس نے خامہ فرسائی کی ہے اور اس کے بارے میں روایات اس کی ذکاوت و ذہانت اور ظریفانہ مزاج کی نشان دہی کی ہے۔ اس کے اسلوب میں اور "كتاب البخلاء" میں جاحظ کے اسلوب میں بہت زیادہ مشابہت پائی جاتی ہے۔ جاحظ کا بیان ہے کہ جب وہ شروع میں کوئی کتاب لکھتا تھا تو لوگ اس کی پذیرائی نہیں کرتے تھے لیکن جب وہ اس سے کم تر درجہ کی کتاب لکھ کر سہل بن ہارون یا دوسرے مشہور مولفین کی طرف منسوب کر دیتا تھا تو لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔

سہل بن ہارون کی بیش تر تحریریں ضائع ہو گئی ہیں۔ "كليلة ودمنة" کے طرز پر اس نے دو کتابیں تصنیف کی تھیں۔ ایک کا نام "ثعالبة وعفراء" اور دوسری "النمر والثعلب" ہے۔ مسعودی نے اول الذکر کتاب کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ حسن ترتیب کے لحاظ سے كليلة ودمنة سے فائق ہے۔ جدید دور کے ایک محقق عبدالقادر مہیری کو کتاب النمر والثعلب کا ایک نسخہ دستیاب ہوا تھا، انہوں نے تیونس یونیورسٹی کے مجلّہ میں اس کتاب کے اقتباسات اور اس پر ایک مقدمہ شائع کیا ہے۔ اس قصہ کا مرکزی کردار تین جانوروں پر مشتمل ہے ایک لومڑی، دوسرا بھیڑیا اور تیسرا چیتا۔ ان کے مابین پیش آنے والے واقعات کو سہل نے باریک بینی کے ساتھ ترتیب دیا ہے اور اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ بادشاہوں اور حاکموں کو حیوانات کی زبانی نصیحت کی جائے اور عدل و انصاف کی راہ پر چلنے کی ترغیب دی جائے۔ اسی طرح بعض کتابوں میں انسانوں کو مرکزی کردار بنایا گیا ہے مثلاً المخزومي والهذلية اور الوافق والعذراء۔

جاحظ نے كتاب البخلاء کے مقدمہ میں سہل کا ایک طویل رسالہ نقل کیا ہے جس میں سخاوت کے مقابلہ میں بخل کی تعریف ہے۔ اس رسالہ میں اس نے کلام نبی ﷺ اور صحابہ و تابعین، قدیم اقوال و امثال سے منقول حکمت کو ذکر کر کے استدلال کیا ہے۔ رسالہ کے مضامین سے اس زمانہ کے کلامی جدل و مناظرہ کا رنگ بھی نمایاں ہوتا ہے۔ جاحظ اور سہل بن ہارون کے اسلوب میں اس قدر مماثلت ہے کہ اگر جاحظ خود اس رسالہ کو سہل کی جانب منسوب نہ کرتا تو اسے جاحظ ہی کی تحریر سمجھی جاتی۔ سہل کے مذکورہ رسالہ سے کچھ نمونے

" عبتمـونـي حين زعمتِ أني أقدم المال على العلم، لأن المال يقادبه العلم،وبه تقوم النفوس قبل أن تعرف فضل العلم فهـو أصـل والأصل أحق بالتفضيل من الفرع......وقلتم: كيف تقول هذا وقد قيل لرئيس الحكماء ومقدم ألادباء: أفضل الـعـلـماء أم الأغنياء؟ قال: بل العلماء ، قيل: فما بـال العلماء يأتون بـاب الأغنياء أكثر ممايانى الأغنياء أبواب العلماء قال لمعرفة العلماء بفضل الغنى ولجهل الأغنياء بفضل العلم...... "

(مال کو علم پر مقدم کرنے کی وجہ سے تم لوگ مجھ سے ناراض ہو مگر درحقیقت مال کے ذریعہ علم کی قیادت اور نفوس کی درستگی ہوتی ہے خواہ وہ علم کی فضیلت سے واقف نہ ہوں اس طرح مال اصل ہے اور اصل ہی کو فضیلت حاصل ہوتی ہے بہ نسبت شاخ کے......تم یہ کہتے ہو کہ عقل مندوں کے سرداروں اور ادیبوں کے پیش رواشخاص سے سوال کیا گیا کہ: علما افضل ہیں یا مالدار؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ علما کہا گیا کہ علما مالداروں کے دروازوں پر زیادہ جاتے ہیں جبکہ مالدار علما کے دروازہ پر کم، جواب ملا کہ علما کو مالداری کی فضیلت معلوم ہے اور مال دار علم کی فضیلت سے ناواقف ہیں......)

اس کے ایک خط کا نمونہ:

" بسم الـلـه الـرحـمـن الرحيم. أصلح الله أمركم، وجمع شملكم وعلمكم الخير وجعلكم من أهله، قال الأحنف بن قيس: يـامـعشر بني تميم لاتسرعواإلى إلفتنة، فان أسرع الناس ألى القتال أقلّهم حياء من الفرار، وقد كانوا يقولون إذاأردت أن تـرى الـعيـوب جـمة فتـأمـل عيّـابـا، فـإنـه إنـمـا يعيب بفضل مافيه من العيب، وأول العيب أن تعيب ماليس بعيب، ومـا أردنـا بـمـاقـلـنـا إلا هـدايتكم وتقويمكم وإصلاح فسادكم، وإبقاء النعمة عليكم، ولئن اخطأناسبيل إرشادكم، فما أخطانا سبيل حسن النية فيما بيننا وبينكم......"

(شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے، اللہ تمہاری اصلاح کرے، تمہارے اندر اتحاد پیدا کرے، تمہیں خیر کی تعلیم دے اور اہل خیر بنائے۔ احنف بن قیس نے بنو تمیم سے کہا کہ تم فتنہ کی طرف سبقت مت کرو، جو لوگ کشت وخون کی طرف سبقت کرتے ہیں وہ راہ فرار اختیار کرنے میں کم شرمندگی کا احساس کرتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کی خامیوں کو دیکھنا چاہتے ہو تو عیب جوئی کرنے والے کو دیکھو کیونکہ وہ اپنے عیب کی روشنی میں دوسروں کی عیب جوئی کرتا ہے، سب سے پہلا عیب یہ ہے کہ وہ ایسی چیز کو عیب بتاتا ہے جو عیب نہیں ہے۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس سے تمہاری اصلاح اور تمہاری نعمتوں کا دوام مقصود ہے، ہوسکتا ہے کہ ہم تمہیں صحیح راہ دکھانے میں بھٹک جائیں لیکن تمہارے لیے ہماری نیت میں کھوٹ نہیں ہے......)

''سہل بن ہارون کی دیگر تحریروں میں فکری ہم آہنگی اور صوتی تنوع بغیر کسی تکلف کے بیک وقت پائی جاتی ہے۔ الفاظ ومعانی کے انتخاب نے اسے صف اول کے ادیبوں میں لا کھڑا کر دیا تھا اور یہ کسی حد تک درست کہا گیا ہے کہ سہل بن ہارون وہ بیج تھا جس کا درخت جاحظ کی شکل میں منظر عام پر آیا''۔

4.5.3 ابراہیم بن عباس بن محمد الصولی (۱۷٦-۲۴۳)

صولی اپنے زمانہ کا مشہور ادیب تھا۔ خراسانی النسل تھا اور اس کا دادا ''اصول'' مجوسی تھا۔ اسی کی طرف نسبت کی وجہ سے وہ صولی کے نام سے مشہور ہوا تھا۔ حجاج کے جانب سے خراسان میں متعین گورنر یزید بن مہلب کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ اس کے لڑکے عباس کے دو بیٹے تھے بڑا عبداللہ اور چھوٹا ابراہیم۔ ان کی ماں مشہور شاعر عباس بن احنف بن قیس کی بہن تھیں۔ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ علما وشعرا کے حلقہ میں شریک ہوتا تھا جس سے اس کی زبان پختہ ہوئی اور شاعری میں نکھار آیا۔

ابوالقاسم حمزہ بن یوسف نے ''تاریخ جرجان'' میں لکھا ہے کہ ''ابراہیم الصولی جرجانی الاصل ہے اور صول جرجان کا ایک علاقہ ہے۔ یہ اپنے زمانہ کا مشہور شاعر اور انشا پرداز تھا۔ ابراہیم اور اس کے بھائی عبداللہ کا تعلق ذوالریاستین فضل بن سہل سے ہوا جس نے ابراہیم کو سرکاری امور کے شعبہ میں ملازمت دے دی اور وہ یہاں مختلف عہدوں پر وفات تک کام کرتا رہا۔ خلیفہ واثق کے زمانہ میں کچھ دنوں کے لئے اہواز کا گورنر بھی رہا۔ اس کی شاعرانہ صلاحیت اور انشا پردازی کا اعتراف معاصرین اور متاخرین نے کیا ہے۔ وہ شعر کہنے کے بعد اس پر مسلسل نظر ثانی کرتا رہتا تھا اور معمولی ودرمیانہ درجہ کے اشعار کو قلم زد کر دیتا تھا حتیٰ کہ کبھی کبھی ایک یا دو اشعار باقی رہ جاتے تھے۔ اس کی شاعری کے بارے میں مشہور شاعر دعبل بن علی الخزاعی کا کہنا تھا کہ اگر ابراہیم بن عباس شاعری کو ذریعہ بنالیتا تو ہمیں کچھ اور کرنا پڑتا۔ ابن الجرّاح کا بیان ہے کہ اپنے ہم عصر انشا پردازوں میں سب سے بڑا شاعر تھا، اس کی زبان میں رقت اور شیرینی تھی اور احوال زمانہ کے منظر کشی میں اس کا کوئی مثیل نہ تھا۔ اسی طرح انشا پردازی میں وہ عبارت پر توجہ دیتا تھا۔ انتہائی سوچ سمجھ کر ایسے عمدہ الفاظ کا انتخاب کرتا تھا جو دقیق معانی پر مشتمل ہوتے تھے، اس کے جملوں میں باہمی ربط کا اہتمام ہوا کرتا تھا۔ خود اس کا کہنا تھا کہ ''میں نے اپنی تحریروں میں صرف انہیں چیزوں کو پیش کیا ہے جن کی طرف میرا دل مائل ہوا اور جن سے میرے سینے میں ایک جذبہ موجزن ہوا

خلیفہ متوکل کے زمانہ میں باغی اسماعیل بن اسحٰق کو شمالی آرمینیا میں بغاوت اور آتش زنی کے بعد اس کے قتل کو ایک مکتوب میں جس طرح بیان کرتا ہے وہ اس کی فصاحت و بلاغت کو نمایاں کرتی ہے۔ اس نے دشمنان خدا کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے اور عبارت میں صنعت طباق کا مہارت کے ساتھ استعمال کیا ہے جیسے رضاع کے ساتھ فطام، مرّ کے ساتھ حلو، ذل کے ساتھ عزّ اور حسرت کے ساتھ مسرت وغیرہ۔

صولی کے مکتوب میں منظر نگاری کا فن بھی واضح طور پر سامنے آتا ہے مثلاً نافرمانی کو اس نے ایسی ماں قرار دیا ہے جو اپنی اولاد یعنی باغیوں اور سرکشوں کی پرورش کرتی ہے اور نافرمانی اختیار کرنے کے لئے سبز باغ دکھاتی ہے لیکن سب کا انجام برا ہوتا ہے۔ اور اس فتنہ کو اس نے جہنم قرار دیا ہے جس کے بھڑکتے ہوئے شعلے ہر ایک کو اپنے اندر سمیٹ لیتے ہیں۔ باغی کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا ہے اور وہ درندوں کی غذا بن جاتی ہے یہ تو دنیا کا معاملہ ہے جبکہ آخرت میں وہ جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔

صولی کو مختصر نویسی پر بھی عبور حاصل تھا۔ فارسی اثرات کی وجہ سے انشا پرداز اطناب کی طرف مائل ہو رہے تھے، جو بات پہلے دو چار جملوں میں کہہ دی جاتی تھی اس کے لئے اب طویل عبارتیں لکھی جانے لگی تھیں۔ عربی زبان نے فارسی کے بہت سے اسالیب کو بھی اختیار کر لیا تھا مثلاً مرسل الیہ کو بڑے بڑے القاب لکھنا، مخاطب سے تکلف اور ادب سے گفتگو کرنا، ایک مطلب کو بہت سے الفاظ اور مترادف جملوں میں ادا کرنا۔ اس خدشہ کا احساس کرتے ہوئے کہ پرنویسی عربی زبان میں فساد اور بگاڑ نہ پیدا کر دے بعض ادیب اور انشا پرداز لوگوں کو مختصر نویسی کی دعوت دیتے تھے۔ اس کو ترجیح دینے کے سلسلہ میں جعفر بن یحییٰ کا قول تھا: '' إذا استطعتم ان تكون كتبكم كالتوقيعات فافعلوا '' (اگر تم اپنے خطوط کو مختصر نوٹ کی طرح لکھ سکتے ہو تو ایسا ہی کرو)۔ صولی کو چونکہ انشا پردازی پر پوری قدرت تھی اس لئے اس نے طویل اور مختصر دونوں طرح کے رسائل میں اپنی فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ اہل حمص کے ۲۴۰ھ میں متوکل کے خلاف بغاوت کرنے پر جو خط اس نے لکھا ہے اس سے اس کی ایجاز نویسی پر مکمل قدرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

أمـابعد فإن اميرألمؤمنين يرى من حق الله عليه، مماقوم به من اود، وعدل به من زيغ، ولم به من منتشر، استعمال ثلاث، يـقدم بعضهن على بعض، أولاهن مايتقدم به من تنبيه وتوقيف، ثم مايستظهر به من تحذير وتخويف ثم التى لايقع جسم الداء بغيرها:

اَنـا ـة فـإن لـم تـغـن عقب بعدها وعيدا، فإن لم يغن أغنت عزائمه

(امابعد، امیر المؤمنین اپنے اوپر اللہ کا حق سمجھتے ہوئے ٹیڑھے کو سیدھا کرنے، کجی کو درست کرنے اور منتشر کو جمع کرنے میں تین طریقے اختیار کرتا ہے۔ کسی کو پہلے اور کسی کو بعد۔ سب سے پہلے وہ متنبہ اور خبردار کرتا ہے، پھر ڈراتا اور دھمکاتا ہے اور اس کے بعد مرض کو ختم کرنے کے لئے آخری تدبیر استعمال کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے: پہلے بردباری سے کام لیتا ہے، اس سے فائدہ نہ ہو تو دھمکی دیتا ہے اور اگر یہ بھی کارگر نہ ہو تو اس کا پختہ ارادہ کام دیتا ہے۔

متوکل اس خط سے بہت خوش ہوا اور اپنے وزیر عبداللہ بن یحییٰ بن خاقان کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ سن رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ امیر المومنین ابراہیم میں ایک خوبی ہے جسے اللہ آپ کے لئے چھپا رکھا تھا اور آپ کی حکومت کے لیے ذخیرہ کر رکھا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ کسی مکتوب میں عباسی خلفا کے متعلق استعمال ہونے والا یہ پہلا شعر ہے۔

ابن الزیات سے عفو کا طالب ہو کر یہ لکھتا ہے:

" كتبـت وقـد بـلـغـت الـمـدية المحزّ وعدت الأيام عليّ بعد عداوى بك عليها وكان أكثر خوفي أن تسكن في وقت حركتها وتكف عندأذاتها، حضرت اضرّ عليّ منها، فكف الصديق عن نصرتى خوفامنك وبادر إلى العدو تقربا إليك "

(میں یہ مکتوب ارسال کر رہا ہوں درآں حالیکہ معاملات دگرگوں ہو چکے ہیں اور آپ کی ناراضگی کے بعد زمانہ میرا دشمن ہو گیا ہے، میرا گمان یہ تھا آپ زمانہ کے حرکت میں آنے کے بعد خاموش ہو جائیں گے اور زمانہ کے تکلیف پہنچاتے وقت ہاتھ روک لیں گے لیکن آپ میرے لئے اس سے زیادہ ضرر رساں ہو گئے، لہٰذا دوست آپ کے ڈر سے میری مدد سے رک گئے اور دشمن آپ کا قرب حاصل کرنے کے لئے دوڑ پڑے)۔

مسعودی نے ابراہیم کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: " مثل اصـحـاب السـلـطـان مثل قـوم علوا جبلا ثم وقعوا منه، فكان اقربهم الى التلف العبدهم فى الارتقاء " (بادشاہ کے مصاحبوں کا حال پہاڑ پر چڑھ کر گرنے والوں کی طرح ہے جو زیادہ اوپر جائے گا گرنے میں اسے زیادہ نقصان کا سامنا کرنا ہوگا)۔

اپنے مختصر رسائل میں ابراہیم کو مافی الضمیر ادا کرنے پر قدرت کاملہ حاصل تھی اور اس کے ان رسائل کو پڑھتے وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ کسی خط کے بجائے صرف امثال و حکم پر مشتمل یہ عبارت ہے جن میں مہارت کے ساتھ اپنے مطمح نظر کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ وہ جس پایہ کا انشا پرداز تھا اسی پایہ کا شاعر بھی تھا اپنے مکاتیب میں جگہ جگہ وہ اپنے اشعار کا استعمال کرتا تھا جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ شعر کہنے کے بعد وہ اس میں کاٹ چھانٹ کرتا رہتا تھا اور اکثر اوقات بیشتر حصے کو قلم زد کر دیا کرتا تھا گھوڑے کا وصف بیان کرتے ہوئے

کہتا ہے:

ولـكـن الـجـواد أبـاهشـام　　وفـيّ الـعهـد مـأمون المغيب

بـطـيٌ عـنـدما استغيث عنه　　وطلّاع عـليك مـع ا لخطوب

اپنے بھائی عبداللہ بن عباس صولی کے متعلق کہتا ہے:

ولـكـن عبـداللـه لـماحوى الغنى　　وصـار لـه مـن بين إخوانـه مـال

رأى خـلّتـه مـنهـم تسـدُّ بـمـالـه　　فسـاهـمهم حتى استوت بهم الحال

حسن بن وہب کی مخمور آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہتا ہے:

عيـنـاك قـد حكتامبيتك　　كيف كـنـت وكيف كـانا

ولـربّ عيـن قـدأرتك　　مبيـت صـاحبهـا عيانا

ابراہیم بن عباس صولی کی تصانیف ابن ندیم کے مطابق درج ذیل ہیں:کتـاب ديـوان الـرسـائـل، كتـاب ديـوان الشـعر، كتاب الدولة، كتاب الطبيخ اور كتاب العطر ہیں۔اس کی وفات ماہ شعبان ۲۴۳ھ میں سامرّا میں ہوئی۔

4.5.4 جاحظ(۱۵۹ھ-۲۵۵ھ)

ابوعثمان عمرو بن بحر بن محبوب کنانی کی پیدائش راجح قول کے مطابق ۱۵۹ء میں ہوئی۔اس کی پیدائش کے سال کے متعلق مؤرخین تاریخ ادب عربی کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے لیکن تمام سوانح نگار اس پر متفق ہیں کہ اس کی وفات ۲۵۵ھ میں ہوئی تھی۔ جاحظ بصرہ میں پیدا ہوا اور وہیں نشو ونما ہوئی۔ابتدائی زندگی کے متعلق بہت زیادہ تفصیلات کا علم نہیں ہوتا ہے۔كتـاب الحيوان کے دوسرے حصہ میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ وہ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ مکتب میں اس زمانہ کے مرّوجہ علوم حاصل کرنے جاتا تھا۔پھر مسجد میں علما کے حلقہ درس میں شریک ہونے لگا۔بصرہ کے ''مربد'' نامی بازار میں فصحائے عرب سے لغت وشعر کا علم حاصل کرنے جایا کرتا تھا۔تنگدستی کی وجہ سے اسے دریائے سیحون کے پاس مچھلی اور روئی فروخت کرنی پڑی مگر اس کے باوجود حصول علم میں منہمک رہتا تھا۔کہا جاتا ہے کہ ''اس کے ہاتھوں میں جو بھی کتاب آتی تھی وہ اسے شروع سے آخر تک پڑھ ڈالتا تھا۔ابن ندیم کی روایت کے مطابق وہ کتب فروشوں کی دکانوں کو رات بھر کے لئے کرایہ پر لیتا تھا اور وہاں پوری رات کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہتا تھا۔

چونکہ وہ بے ڈول جسم، بدشکل اور ابھری ہوئی بدوضع آنکھوں والا شخص تھا لہٰذا اس کا لقب ''جاحظ'' پڑ گیا۔کون جانتا تھا کہ یہ کریہہ المنظر باہر کو نکلی ہوئی آنکھوں والا لڑکا آگے چل کر ادیبوں اور انشا پردازوں کا امام اور عباسی دور میں نثر نگاروں کے دوسرے طبقہ کا سردار شمار کیا جائے گا۔اس کی بدصورتی کے متعلق بہت سے قصے مشہور ہیں اور بہت سے مواقع پر اس کو اپنی بدصورتی کی وجہ سے خفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔اس کی غیر معمولی شہرت اور قابلیت کا چرچا سن کر خلیفہ متوکل نے چاہا کہ اسے اپنے لڑکے کا اتالیق بنائے، چنانچہ جب جاحظ خلیفہ کے یہاں ''سرّ من رای'' پہنچا تو اس نے اس کی شکل کو دیکھ کر دس ہزار درہم دے کر واپس کر دیا۔ وہ اپنے اس لقب ''جاحظ'' کو ناپسند کرتا تھا اور عموماً نام سے پکارا جانا پسند کرتا تھا۔وہ اس نام کو'' الاسم المظلوم '' کہتا تھا کہ اس کے آخر میں جو واو ہے وہ اس کا جزء ہونے کے باوجود ادا نہیں کی جاتی ہے۔اس کے علاوہ ''عمرو'' نام عربوں میں بڑے بڑے لوگوں کا ہوا ہے، جیسے عمرو بن معدی کرب، عمرو بن کلثوم، عمرو بن ہند، عمرو بن عاص وغیرہ۔لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ اس کا یہ لقب ''جاحظ'' دنیائے ادب میں ایسا مشہور ہوگا کہ شہر شہر اور ملک ملک ادبا اس لقب کے ساتھ اپنی نسبت کو باعث فخر شمار کریں گے۔

جاحظ مذہباً معتزلی تھا اور ابراہیم النظّام کا شاگرد تھا اور اس سے بہت متاثر تھا۔معتزلہ کا ایک فرقہ جاحظ کی نسبت سے ''جاحظیہ'' مشہور ہوا۔نظّام کے علاوہ اس نے بشر بن معتمر، ثمامہ بن اسرش اور ابو ہذیل علاف جیسے معتزلیوں کی كتـاب الـحيوان میں جگہ جگہ تعریف کی ہے۔اس کے عقائد اور مذہبی خیالات کی جھلکیاں اس کی تصانیف میں جگہ جگہ ملتی ہیں۔

یہ متعین نہیں کہ اس کی انشا پردازی کا آغاز کب ہوا لیکن اتنا پتہ چلتا ہے کہ ابتدا میں جب وہ کوئی کتاب لکھتا تھا تو اس کی کتاب قابل توجہ نہیں سمجھی جاتی تھی لیکن جب وہ اس سے کم تر درجہ کی کتاب کو اس زمانہ کے مشہور ادبا مثلاً ابن المقفع، خلیل بن احمد یا عتابی وغیرہ جیسے مشہور ادیبوں کے نام سے منسوب کر کے منظر عام پر لاتا تھا تو لوگ اس کے پاس آتے، اسے لکھتے اور اس کی روایت کرتے تھے۔تیسری صدی کے آتے آتے جاحظ کو اپنے زمانہ کے ادبا سے کہیں زیادہ شہرت حاصل ہو جاتی ہے۔خلیفہ مامون نے اس کی ''كتاب الامامة '' دیکھ کر عباسیوں کے بارے میں ایک کتاب لکھنے کا حکم دیا اور اسے'' ديوان الرسائل '' کا نگراں مقرر کر دیا، لیکن جاحظ اپنی آزادی طبع کے باعث اس عہدہ

اسلوب واضح، طرز استدلال مضبوط اور معنی آفرینی کی قوت لامحدود تھی۔ نثر نگاری میں وہ ایک نئے طرز کا موجد بھی اور خاتم بھی۔ معلومات نثر و نظم کے مختلف اصناف پر اس کو عبور حاصل تھا۔ جدت پسندی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس کی عبارت فصاحت و بلاغت اور سلاست کی حامل ہے۔ نثر نویسی میں علمی مباحث اور فلسفیانہ خیالات کے اظہار میں اس کا قلم جو جوہر دکھاتا ہے اس کی مثال دیکھنے کو نہیں ملتی ہے۔ ظرافت اور مزاح کے میدان میں اس کی مہارت قابل دید ہے۔ البتہ نظم کے سلسلہ میں بعض حضرات کی رائے ہے کہ وہ عامیانہ درجہ کی ہیں۔ لیکن احمد امین کے بقول ''جاحظ کی تمام نثری تالیفات اگر ہمارے سامنے ہوتیں تو ایک دائرہ معارف کا وجود سامنے آتا۔ اس کے کہے ہوئے محفوظ چند اشعار سے یہ فیصلہ کر لینا کہ اس کی شاعری معمولی درجہ کی تھی بہر حال انصاف نہیں ہے''۔

اس کے یہاں حکایتی نثر کے نمونے بھی ملتے ہیں، جسے ہم افسانہ یا ناول سے مشابہ کہہ سکتے ہیں۔ اس طرح کی تحریروں میں اس نے بڑی مہارت کے ساتھ شخصیات اور ان کے طبعی احوال و عادات کی عکاسی کی ہے۔ کتاب الحیوان میں ''قاضی اور مکھی'' کی جو حکایت ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح جاحظ کو جسمانی حرکات اور انسانی نفس کے احساسات کی ترجمانی پر قدرت حاصل تھی۔ اس حکایت کے پہلے حصہ میں قاضی عبداللہ ابن سوّار کے وقار، سنجیدگی اور نفس پر قدرت کا ذکر ہے۔ حکایت کے دوسرے حصہ میں اس مکھی کا تذکرہ ہے جو قاضی کے جسم پر جگہ جگہ بیٹھ کر اسے پریشان کر رہی تھی اور تیسرے حصہ میں حاضرین کے مشاہدہ کا ذکر ہے کہ قاضی اس چھوٹے سے جانور کی وجہ سے کس طرح اپنی معتاد ہیئت کو چھوڑنے پر مجبور ہوتا ہے۔

جاحظ نے کوئی ایسا موضوع نہیں چھوڑا جس پر اس نے خامہ فرسائی نہ کی ہو نباتات، اشجار، حیوانات، انسان، زندگی و آخرت، طنز و مزاح، ترکوں اور سوڈانیوں، اساتذہ، غلاموں، باندیوں، عشق و محبت، عورتوں و بچوں، نبیذ و شراب، عباسیوں، زیدیوں، نصاریٰ کی تردید، اثبات نبوت، نظم قرآن، فصاحت و بلاغت، ڈاکوؤں، چوروں اور بخیلوں کے بارے میں کتابیں لکھیں۔ اس نے متعدد کی تعریف میں مضامین لکھے اور پھر انہیں چیزوں کی برائی میں کتابیں لکھی ہیں اور کمال یہ ہے کہ دونوں کو پڑھنے کے بعد اس کی تحریروں میں تضاد نظر نہیں آتا ہے۔ اس نے رسالة فی مدح الکتاب لکھا تو رسالة فی ذمّ الکتاب بھی لکھ دیا۔ مغنیہ عورتوں کی تعریف میں جہاں رسالة فی مدح القیان لکھا تو ان کی برائی میں رسالة فی ذم القیان لکھ دیا۔ دونوں جگہ اس نے ایسے ایسے دلائل پیش کئے ہیں کہ ان متضاد کتابوں کو پڑھنے کے بعد کسی بھی جگہ کوئی بات خلاف واقعہ نظر نہیں آتی ہے یہی اس کا کمال ہے۔

جاحظ کے یہاں لطائف و نوادر کی کثرت ہے اور اس سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قاری کی دلچسپی نفس مضمون میں برقرار رہے۔ پوری کتاب البخلاء لطائف و نوادر سے بھری ہوئی ہے۔ اس کتاب میں اس نے معاشرہ کے مختلف لوگوں کے احوال و رجحانات، کھانے پینے کے طور و طریقوں اور سخاوت اور بخل کی فضیلت کو بیان کیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ہم کو جاحظ کے بخیلوں سے نفرت نہیں ہوتی ہے بلکہ ایک طرح کی انسیت کا احساس ہوتا ہے اور اس کتاب کے بخیل ''طیاب البخلاء'' کہے جاتے ہیں۔ لطائف و نوادر پر دوسری کتاب ''نوادر المعلمین''ہے جس میں معلمین کی حماقتوں اور کم عقلوں کا تذکرہ ہے۔ تیسری کتاب ''النوکی والحمقی''ہے۔ وہ ظرافت پسندی میں خود اپنی ذات اور شکل کو بھی نشانہ بنالیتا ہے، چنانچہ اس کا بیان ہے کہ ''مجھے ایک عورت نے جس طرح شرمسار کیا ویسی خفت مجھے کبھی نہیں ہوئی۔ وہ مجھے ایک سنار کے پاس لے گئی اور ''کمثل هذا'' (اس طرح) کہہ کر غائب ہوگئی، مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو میں نے سنار سے استفسار کیا تو اس نے بتایا کہ یہ عورت شیطان کی تصویر بنوانا چاہتی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ میں نے شیطان کو دیکھا نہیں، اس کی تصویر کیسے بنا سکتا ہوں۔ اب اس نے بطور نمونہ تمہیں لا کر پیش کر دیا۔

اس کی تحریروں میں حقیقت نگاری کے لئے کلیات اور جزئیات کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ قاری کو تشنگی کا احساس کسی بھی موقعہ پر نہیں ہوتا ہے۔ نئے نئے موضوعات پر قلم اٹھانا اور تفصیل کے ساتھ ان پر گفتگو کرنا اس کی تحریروں کا خاصہ ہے۔ اپنی عبارتوں میں وہ جگہ جگہ تکرار لاتا ہے تا کہ نفس مضمون قاری کے ذہن نشین ہو جائے۔ اس کے یہاں تشبیہات اور استعارے برمحل ہوتے ہیں اور بوقت ضرورت دیگر زبانوں کے الفاظ یا جملوں کو استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتا ہے چنانچہ کتاب البخلاء میں قصة العراقی میں اس نے فارسی جملہ ''اگر از پوست بیرون بیائی'' نشناستم'' لکھ کر عربی میں ''لو خرجت من جلدك لم أعرفك'' لکھا ہے۔ ایک موضوع پر لکھتے لکھتے دوسرے موضوع کی طرف متوجہ ہو جانا اور پھر بعد میں اصل موضوع کی طرف واپس آجانا (استطراد) بھی اس کی خصوصیات میں ایک نمایاں خاصیت ہے۔ اس کی تحریر کی سب سے اہم خاصیت اس کی عقلیت پسندی ہے۔ معتزلہ کے زیر اثر اس نے نقل کے ساتھ ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا اسی لئے ابن العمید نے اس کی کتابوں کے بارے میں یہ کہا ہے'' کتب الجاحظ تعلم العقل أولا والأدب ثانياً'' (جاحظ کی کتابیں اولین درجہ میں عقل کے لئے غذا فراہم کرتی ہیں ادب کی حیثیت ثانوی ہے)۔

جاحظ نے ''کتاب الحیوان'' لکھ کر ابن الزیات کے سامنے پیش کیا تو اس نے اسے پانچ ہزار دینار عطا کئے۔ قاضی ابن ابی داود نے کتاب ''البیان والتبیین'' پر پانچ ہزار دینار دیا، ابراہیم بن عباس الصولی نے ''کتاب الزرع والنمل'' پر پانچ ہزار دینار عطا کیے، وزیر فتح بن خاقان کے لیے ''فضائل الترك'' نامی رسالہ مرتب کیا تو اس نے حکومت کے خزانے سے باقاعدہ وظیفہ جاری کروادیا

جاحظ کی کتابوں کے سلسلہ میں ابوعبداللہ بن حموذ زبیدی اندلسی کا کہنا تھا" رضيت في الجنة بكتب الجاحظ عوضا عن نعيمها "(میں جنت میں جنت کی نعمتوں کے عوض جاحظ کی کتابوں سے راضی ہو جاؤں گا)۔ یاقوت حموی، ابوعبدالرحمٰن انباری، ابن العمید ، ابو ہفان ،مسعودی، ابومنصور ازہری، ابن قتیبہ اور ابن خلدون وغیرہ قدما میں اور سعد زغلول، احمد امین ،شوقی ضیف، احمد حسن زیات، جرجی زیدان وغیرہ جدید دور کے ادبا میں اور گولڈزیہر، نکلسن ،اورحتّی وغیرہ مستشرقین میں اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

اس کی مولفات کی تعداد دوسو سے زیادہ بتائی جاتی ہے جن میں كتاب الحيوان، كتاب البيان والتبيين، البخلاء، المحاسن والاضداد،اخلاق الملوك، رسائل الجاحظ اور العجائب و الغرائب ادب کی مشہور اور اہم کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔ادب میں اس کا نمایاں اسلوب اور اس کی گراں قدر تصانیف اس کے نام کو باقی رکھنے اس کے ادب کو مرجع خلائق بنانے اور اس کی تقلید کو قابل فخر بنانے کے لئے کافی ہیں۔

ابن الزیات کے نام مکتوب کا نمونہ:

"أعـاذك الـله من سوء الغضب وعصمك من سرف الهوى وصرف ما أعارك من القوة إلى حب الإنصاف ورجّح في قلبك إيثار الاناة ، فقد خفت أيّدك الله – أن أكون عندك من المنسوبين إلى نزق السفهاء ومجانبة سبل الحكماء......"

(اللہ تمہیں برے غصہ سے پناہ میں رکھے اور خواہش کی غلو سے بچائے اور تمہیں جو قوت دی ہے اس کو انصاف ومحبت کی طرف پھیر دے اور تمہارے دل میں بردباری کو قابل ترجیح بنائے، میں ڈرتا ہوں کہ تم مجھے ان لوگوں میں شمار کرو گے جو حماقت کرتے ہیں اور عقل مندوں کی راہ سے دور ہٹ جاتے ہیں......)

كتاب الحيوان کا آغاز اس عبارت سے کرتا ہے:

" جنبك الله الشبهة وعصمك من الحيرة وجعل بينك وبين المعرفة نسبا وبين الصدق سببا، وحبب إليك التثبت وزين فـي عيـنك الإنـصـاف وأذاقك حـلاوـة التقوىٰ وأشعر قلبك عزّ الحق وأودع صدرك برد اليقين وطرد عنك ذلّ اليأس وعرفك مافي الباطل من الذلة ومافي الجهل من القلة "

(اللہ تمہیں شک وشبہ سے بچائے اور سرگردانی سے محفوظ رکھے تمہارے اور علم ومعرفت وراست بازی کے درمیان تعلق بنائے، معاملات چھان بین کو تمہارے پاس محبوب بنائے، تمہاری نگاہوں میں انصاف کو مزین کرے دل کو تقویٰ کی شیرینی سے آشنا کرے اور حق کی قدر ومنزلت کا تمہارے دل میں احساس پیدا کرے، تمہارے دل کو یقین کا سکون واطمینان بخشے، ناامیدی کی ذلت کو دور کرے باطل کی ذلت اور جہالت کے نقص کا تم کو ادارک بخشے)

كتاب البخلاء سے نثر کا نمونہ:

" قـال: فـي قـولهم بخيل تثبيت لإقامة المال في ملكه، وفي قولهم سخى أخبار عن خروج المال من ملكه. ورسم البخيل اسم فيه حفظ وذم واسم السخى فيه تضيع وحمد، والمال زاهرنافع مكرم لأهله معز والحمد، وسخرية......"

(اس نے جواب دیا کہ لوگوں کے "بخیل" کہنے میں مال کو اس کی ملکیت میں ثابت کرنا ہے اور سخی کہنے میں اس بات کی اطلاع ہے کہ مال اس کی ملکیت سے نکل گیا۔ بخیل نام حفاظت اور برائی ہے، سخی نام میں بربادی اور تعریف ہے۔ مال نفع بخش اور عزت دینے والا ہوتا ہے جبکہ تعریف ہوا اور مذاق ہے)

4.5.5 ابن قتیبہ (۲۱۳-۲۷۶ھ)

ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ کوفہ میں پیدا ہوا، عرصہ تک بغداد میں مقیم رہا، دینور میں منصب قضاء پر فائز ہوا تو اس کی نسبت سے دینوری کہلایا۔مکتب کی تعلیم کے دوران قرآن، حدیث، اشعار، فقہ، نحو کی تعلیم حاصل کی پھر اجداد کی مساجد کے حلقہ درس میں شریک ہو کر لغوی اور شرعی علوم کی تکمیل کی۔اس کے مشہور اساتذہ میں اصمعی ، ابوحاتم، ابوعبید، ابن الاعرابی اور ابوعمر شیبانی وغیرہ ہیں۔ فارسی اور دیگر زبانوں سے جن کتابوں کا ترجمہ ہوا تھا ان سے بھی استفادہ کیا۔لغت نحو اور علوم اسلامیہ کا زبردست عالم تھا اور فقہا کے درمیان اسے زیادہ شہرت حاصل ہوئی، حقیقت نگاری اور صدق روایت میں اپنی نظیر آپ تھا۔اپنی رائے کے بے باکانہ اظہار میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ وہ پہلا ادیب ہے کہ جس نے ادبی تنقید کی جانب توجہ دی، شاعری پر مبسوط ومدلل بحث کے ساتھ شعرا کے مختلف درجات متعین کئے۔شاعر کی عظمت کے لئے اس نے زمانہ اور وقت کے اصول کو مہمل قرار دیا اور یہ بتایا کہ قدیم شاعر محض قدیم ہونے کی وجہ سے عظیم نہیں قرار دیا جاسکتا اور جدید محض بعد میں آنے کی وجہ سے کم تر نہیں قرار دیا جاسکتا۔خود تو کسی قدر روایت پرست تھا لیکن روایت پرستی اور معتدل تجدیدی رجحان کے درمیان توازن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ابن قتیبہ سنی المسلک تھا۔جاحظ کی تصانیف کا اس نے بغور مطالعہ کیا اور جاحظ ومسلک اعتزال پر سخت حملے کئے۔ مروجہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی ادبی حیثیت بھی معروف ہے اور مسلم ... لغوی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باکمال ادیب بھی تھا

جو وسیع المطالعہ تھا، ادب کے تمام علوم پر دستگاہ تھی، شعراور اخبار عرب کا روای تھا اور اسے مختلف علوم وفنون میں اولیت کا شرف حاصل تھا۔

ابن قتیبہ کا اسلوب عمدہ ہے، الفاظ کے انتخاب میں بلند معانی کا خیال رکھا گیا ہے عبارتیں واضح اور صاف ہوتی ہیں، تعبیر پر ایسی قدرت ہے کہ وہ جو کہنا چاہتا ہے الفاظ اس کے سامنے دست بستہ نظر آتے ہیں۔ الفاظ کے انتخاب میں ابن قتیبہ جاحظ سے مشابہ نظر آتا ہے۔ بعض مقامات پر اتنی گہری مشابہت ہے کہ اگر یہ نہ بتایا جائے کہ یہ ابن قتیبہ کی عبارت ہے تو فرق کرنا مشکل ہو جائے گا۔ چھوٹے چھوٹے جملے، الفاظ ومعانی میں ہم آہنگی اور الفاظ کا باہم ربط وغیرہ ایسی صفات ہیں جو دونوں کے یہاں یکساں طور پر ملتی ہیں۔ جاحظ ایک موضوع پر لکھتے لکھتے درمیان میں دوسرے موضوع کو چھیڑ دیتا ہے (استطراد) لیکن ابن قتیبہ کے یہاں یہ چیز نہیں پائی جاتی ہے۔ بلکہ اپنی کتاب ''تاویل مختلف الحدیث'' میں استطراد پر نکتہ چینی کی ہے۔

ابن قتیبہ کا جاحظ کے ساتھ موازانہ کرنا مناسب نہیں ہوگا عربی ادب میں جاحظ کا جو مقام ہے ابن قتیبہ کو وہ مقام حاصل نہیں۔ جاحظ اپنی عبارتوں میں معاشرہ کے مختلف طبقات اور انسانی نفسیات کی جس طرح عکاسی کرتا ہے اس طرح کی عکاسی ابن قتیبہ کے یہاں نہیں ملتی ہے۔ تاہم ابن قتیبہ کے لئے یہ فخر کافی ہے کہ عربی نثر کو اس نے ایک عمدہ اور واضح اسلوب دیا اور ایسی تصانیف چھوڑیں جو علوم وفنون کو نئی جہتوں سے روشناس کراتی ہیں۔ اس کی مندرجہ ذیل تصانیف زیادہ مشہور ہیں:

۱-عیون الاخبار: اس میں دس ابواب ہیں: کتاب السلطان، کتاب الحرب، کتاب السؤود، کتاب الطبائع والاخلاق، کتاب العلم باخبار العلم والعلماء، کتاب الزهد، کتاب الاخوان، کتاب الحوائج، کتاب الطعام اور کتاب النساء۔

۲-کتاب المعارف: یہ کتاب عام تاریخی کتاب ہے جس کو اس نے زمانہ کے مورخین کے طریقہ پر لکھا ہے۔ تاریخ تخلیق عالم، انبیا، انساب عرب، سیرۃ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ ﷺ کے غزوات، صحابہ، تابعین، قرا کرام، راویان اشعار، شرفا اور معذور لوگوں کے ذکر کے ساتھ نادر واقعات، مختلف مذاہب، عرب وعجم کے بادشاہوں کا تذکرہ ہے۔

۳-کتاب '' الشعر والشعراء '': جسے بعض لوگ طبقات الشعراء، کتاب الشعراء یا اخبار الشعراء کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ ایک کتاب کے مختلف نام ہیں۔ یہ کتاب مشہور شعرا کے حالات اور ان کے نمونہ کلام اور اس پر بحث سے متعلق ہے۔ اس میں دورِ جاہلیت، صدر اسلام اور مصنف کے زمانہ تک کے مشہور شعرا کا تذکرہ ہے۔ ادب میں اس کا شمار امہات الکتب میں ہوتا ہے۔

۴-ادب الکاتب: یہ چار حصوں پر مشتمل ہے: کتاب المعرفة، کتاب تقویم اللسان، کتاب تقویم الید اور کتاب الابنیة۔ یہ کتاب جہاں ہمیں زبان وادب کے اسرار ورموز سے روشناس کراتی ہے وہیں تہذیب وثقافت اور انسان دوستی کی تعلیم دیتی ہے۔ خورشید احمد فاروق کے بقول: ''مصنف نے خاص طور پر عربی سے مشتق ہونے والے لفظوں کے صوتی وحرکاتی فرق پر مشتمل معنوی فرق، مختلف ابواب سے مشتق الفاظ کے معنوی اتفاق، مذکر شکل کے مونث الفاظ اور خط وکتابت میں کام آنے والے عام معلوماتی الفاظ اور لسانیات کی بہت سی باریکیوں کا ذکر کیا ہے''۔

۵-الإمامة والسیاسة: یہ حضور ﷺ کی وفات سے لے کر امین اور مامون کے زمانہ خلافت تک کی تاریخ ہے جس میں خلافت کی شرطوں کا بھی بیان ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ کتاب الشراب والاشربة ہے جس میں حرام اور حلال مشروبات کے سلسلہ میں علما کے اختلاف کا تذکرہ ہے۔ کتاب التسوية بين العرب والعجم وتفضيل العرب ہے جو ''شعوبیت'' یعنی عرب دشمنی کی تردید میں ہے۔ اس نے اپنی کتاب عیون الاخبار میں جس کا تذکرہ پہلے آچکا ہے اور اس کتاب کے ذریعہ شعوبیت کی تحریک کا منہ توڑ جواب دیا ہے۔ تاویل مختلف الحدیث، غریب الحدیث اور اصلاح ابی عبید فی غریب الحدیث ابن قتیبہ کے محدث ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ تاویل مشکل القرآن اور غریب القرآن میں وہ ایک مفسر نظر آتا ہے۔ الاختلاف في اللفظ والرد على الجهمية والمشبهة میں ایک فلسفی اور متکلم اور کتاب المعارف میں ایک مورخ نظر آتا ہے۔ یہ ایک شخص ہے جو مختلف جہات میں قیادت کرتے ہوئے علوم وفنون کی نئی راہیں دکھا رہا ہے۔ درج ذیل عبارت میں جاحظ کے کلام کے ساتھ اس کی مشابہت دیکھی جاسکتی ہے۔

" وهذه عيون الأخبار نظمتها لمغفل التأدب تبصرة، ولأهل العلم تذكرة، ولسائس الناس ومسوسهم مؤدبا، وللملوك مستراحاً، وصنفتها أبوابا، وقرنت الباب بشكله، الخبر بمثله، والكلمة بأختها، ليسهل على علمها وعلى الدارس حفظها، وعلى الناشر طلبها، وهى لقاح عقول العلماء ونتاج أفكار الحكماء وزبدة المخض وحلية الأدب وثمار طول النظر، والمتخير من كلام البلغاء، وفطن الشعراء وسير الملوك وآثار السلف"۔

(میں نے عیون الاخبار کی تالیف اس لئے کی کہ ادب سے غافل کی آنکھ کھول دے، اہل علم کے لئے یاد دہانی کرنے والی ہے، حاکم محکوم کو ادب سکھائے، بادشاہوں کے

لئے راحت ہو، اسے مختلف ابواب میں مدون کیا ہے تمام ابواب میں مناسبت واقعات میں ہم آہنگی اور الفاظ میں مماثلت ہے تاکہ سیکھنے والے کو آسانی ہو، قاری اسے یاد کر سکے، خواہش مند حاصل کر سکے، اس میں علما کی عقلوں کا جوہر، دانشوروں کے افکار کا ماحصل، دودھ کا مکھن، ادب کا زیور اور طویل غور وفکر کا ثمرہ ہے، اس میں بلیغ لوگوں کے کلام، شاعروں کی سمجھداری، بادشاہوں کی سیرت بادشاہوں کے احوال اور سلف کے آثار کا انتخاب ہے'')

الشعراء والشعراء میں وہ یہ کہتا ہے:

" ولـم أسـلـك فيـمـا ذكـرتـه مـن شعر كل شاعر مختارا له سبيل من قلّد أو استحسن باستحسان غيره، ولا نظرت إلى الـمتـقـدم مـنهـم بـعيـن الجلالة لتقدمه، وإلى المتاخر منهم بعين الاحتقار لتأخره بل نظرت بعين العدل على الفريقين وأعطيت كلاّ حظه ووفرت عليه حقه......''۔

(میں نے جن شاعروں اور ان کے اشعار کا انتخاب کیا ہے اس میں محض تقلیدی رنگ نہیں ہے اور نہ ہی دوسروں کے اچھا کہنے سے ان کو اچھا سمجھا ہے۔ نہ ہی میں نے قدیم شاعروں کو ان کی قدامت کی وجہ سے بڑا سمجھا اور نہ بعد میں آنے والوں کو کم تر سمجھا ہے بلکہ دونوں فریقوں کو انصاف کی نگاہ سے دیکھا اور ہر ایک کو اس کا حق اور پورا پورا حصہ دیا ہے)

ابن قتیبہ عباسی دور کا وہ نابغہ روزگار ہے جس نے مختلف علوم وفنون پر خامہ فرسائی کر کے اپنے بعد آنے والوں کے لئے ایسا نقش تابندہ چھوڑا جو علم وادب کی دنیا میں مشعل راہ ہے۔ جتنی محنت وجفاکشی سے اس نے علم حاصل کیا تھا اتنی ہی امانت اور دیانت کے ساتھ اپنی انشا پردازی سے عوام کو مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا۔ دینور سے بغداد واپس آ کر تدریس وتعلیم میں اپنی وفات ۲۷۶ھ تک وہ مصروف رہا تھا۔

4.5.6 ابن العمید (م ۳۶۰ھ)

اس کے سال پیدائش کا تذکرہ کتب مراجع میں نہیں ملتا ہے۔ اس کا نام محمد بن الحسین اور کنیت ابوالفضل ہے ابن العمید کے لقب سے مشہور ہوا۔ رکن الدولہ حسن بن بویہ کا وزیر اور خراسان کے مشہور علما میں سے تھا۔ بنو بویہ کی حکومت ۳۳۴ سے ۴۴۷ھ تک رہی۔ فارس اور خراسان وغیرہ ان کے زیر نگیں تھے۔ بنو بویہ کے بیش تر خلفا علم ادب کے شیدائی تھے اسی طرح ان کے وزرا، گورنر اور قاضی بھی بڑے عالم وادیب ہوئے جیسے رکن الدولہ صاحب ہمدان واصفہان کا وزیر ابن العمید، بہاء الدین عضد الدولہ صاحب عراق واہواز کا وزیر سابور بن اردشیر، معز الدولہ بن بویہ کا وزیر حسن بن مہلبی، موید الدولہ بن رکن الدین کا وزیر صاحب بن عباد اپنے علم وفضل کے وجہ سے مشہور ہوئے۔

ابن العمید کا باپ سامانیوں کے دربار میں دیـوان الـرسـائل سے وابستہ تھا اور اس نے اپنے لڑکے کو سامانیوں کے بجائے بویہیوں کے دیوان سے وابستہ کیا۔ ابن العمید ترقی کرتے کرتے ۳۲۸ھ میں وزیر بن گیا اور اپنی وفات ۳۶۰ تک اس منصب پر برقرار رہا۔ ادب اور مراسلہ نگاری کے علاوہ وہ فلسفہ اور علم نجوم سے اسے گہری دل چسپی تھی اور اپنے زمانے کے دیگر مرّوجہ علوم وفنون میں بھی اسے دسترس حاصل تھی۔ ابن مسکویہ کے بیان کے مطابق لغت، نحو، عروض، بلاغت، مشکلات القرآن، اختلاف الفقہا، منطق وفلسفہ اور الٰہیات میں اسے درک حاصل تھا۔ اس کی علمی مہارتوں کے پیش نظر اسے ''استاذ'' کے لقب سے پکارا جانے لگا اور انشا پردازی میں ''جاحظ ثانی'' کہلایا۔ اسی کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ ''انشا پردازی عبدالحمید سے شروع ہوئی اور ابن العمید پر ختم ہوگئی''۔ بقول احمد حسن زیات بغداد شام اور مصر کے شعرا وعلما اس کے پاس جوق در جوق مدد مانگنے کے لئے آنے لگے، اس طرح وہ، صاحب بن عباد اور وزیر مہلبی اس زمانہ کی علمی تحریک کی روح اور ادبی دائرہ کے محور بن گئے۔ خود متنبّی اپنے عالی مرتبت کے باوجود اس کی تعظیم کرتا اور اس سے خائف رہتا تھا۔ اس کی شان میں متنبّی کے بہت سے مدحیہ قصائد ہیں، جن میں سے وہ قصیدہ بھی جس کا مطلع یہ ہے:

باد هواك صبرت ام لم تصبر   وبكاك إن لم يجردمعك أوجرى

(تو صبر کرے یا بے صبری سے کام لے بہر حال تیرا عشق آشکارا ہو کر رہے گا اور خواہ تو آنسو بہائے یا نہ بہائے تیرا رونا ظاہر ہو جائے گا)

علوم مرّوجہ میں مہارت کے ساتھ ساتھ فنون حرب میں بھی اسے قائدانہ مقام حاصل تھا اور اپنی حکومت کے لئے اس نے قابل ذکر کامیابیاں حاصل کیں۔ تمام سوانح نگار اس بات کے معترف ہیں کہ وہ انتہائی فصیح وبلیغ شخص تھا۔ زیر تبصرہ دور میں اس نے انشا پردازی کو ایک ایسا اسلوب عطا کیا کہ آنے والے ادباء اس کی تقلید کرتے رہے۔ اور بلا اختلاف یہ اس دور کے انشا پردازوں کا امام سمجھا جاتا ہے۔ اس کا دور تکلف وباریک بینی کا زمانہ تھا اور اس دور میں سجع کا اہتمام اور اسی کے ساتھ محسنات بدیعیہ مثلاً استعارہ، جناس اور طباق کا استعمال کیا جانے لگا تھا۔ اس کی طبیعت نے ایک ایسے جدید اسلوب وضع کرنے کی طرف رہنمائی کی جس کے فقرے متناسب وموزوں، عبارت خوش نما، نظم وترتیب میں ندرت اور معانی میں جدّت تھی۔ ابن العمید چونکہ شاعر بھی تھا لہٰذا اس نے نثر نگاری میں تکلفات، تزئین صنعت گری اور متنوع اسالیب کو داخل کیا۔ اس کی شاعرانہ طبیعت نے نثر کو بھی اتنی نزاکت بخشی کہ دونوں میں صرف وزن کا فرق باقی رہا

رکن الدولہ کی نافرمانی کرنے پر ابن بلکا کو اس نے جو خط لکھا اس کی چند سطریں بطور اقتباس پیش کی جارہی ہیں جن سے سجع اور دیگر صنعتوں کے استعمال کے متعلق اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

" وزعمت أنك في طرف من الطاعة بعد أن كنت متوسطها، وإذاكنت كذلك فقد عرفت حاليها، وحلبت شطريها، فنشدتك الله لما صدقت عماسألتك كيف وجدت مازلت عنه وكيف تجد ما صرت إليه؟ ألم تكن من الأول فى ظل ظليل ونسيم عليل وريح بليل وهواء غذي وماء روي ومهادوطي وكن كنين ومكان مكين وحصين حصين، يقيك المتالف ويؤمنك المخاوف ويكنفك من نوائب الزمان ويحفظك من طوارق الحدثان، عززت به بعدالذلة وكثرت بعد القلة وارتفعت بعد الضيعة وأيسرت بعد العسرة......"۔

(تمہارا خیال ہے کہ تم فرمان برداری کے وسط میں چلنے کے بعد اب اس کے ایک کنارے پر آ گئے ہو، اگر واقعتاً تمہارا یہی حال ہے تو تم فرماں برداری کی دونوں حالتوں کو جان گئے، اور اس کے نفع نقصان کو پہچان گئے ہو، تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میں جو پوچھ رہا ہوں اس کا صحیح جواب دینا۔ تم نے جس چیز کو چھوڑا اسے کیسا پایا اور اس وقت جس حال میں ہو اسے کیسا پاتے ہو؟ کیا پہلی صورت میں تم گھنے سائے ہوا کے ٹھنڈے اور نمناک جھونکے، سیراب کرنے والے پانی نرم وآرام بستر، محفوظ و مامون رہائش، بلند ومضبوط قلعہ میں نہ تھے۔ جس کے باعث ذلت سے عزت، قلت سے کثرت، پستی سے بلندی، تنگی سے فراخی اور ناداری سے مالداری پائی......)۔

ابن العمید کی شاعری میں حسن و جمال غالب ہے۔ اپنے کسی دوست کے سلسلہ میں اس نے حسب ذیل اشعار کہے تھے:

قد ذبت غير حشاشة وذماء　　مابين حرّ هوى وحرّ هواء

لاأستفيق من الغرام ولاأرى　　خلوامن الأشجان والبرحاء

(میں محبت کی سوزش اور ہوا کی تپش کے درمیان گھل گیا ہوں اور اب اس ناتواں روح اور آخری سانسوں کے سوا مجھ میں کچھ باقی نہیں رہا۔ میں عشق ومحبت کی مستی سے کبھی ہوش میں نہیں آتا ہوں نہ رنج وغم اور تکلیف نے کوئی جگہ خالی پاتا ہوں)۔

باوجودیکہ ابن العمید ایک بہت بڑے عہدے پر فائز تھا لیکن اسے اطمینان کی زندگی نصیب نہیں ہوئی۔ قسم قسم کی بیماریاں اس کے ساتھ لگی رہیں تا آنکہ ماہ صفر ۳۶۰ھ میں اس کی وفات ہوگئی کہا جاتا ہے کہ آخری عمر میں کردی باغی حسنویہ سے لڑنے کے لئے ایک لشکر کی قیادت کرتے ہوئے نکلا تھا لیکن راستے میں ہی انتقال کر گیا اس کی عمر اس وقت ساٹھ سال سے کچھ زیادہ تھی۔

4.5.7 صاحب بن عباد(۳۲۶-۳۸۵ھ)

ابوالقاسم اسماعیل الصاحب بن عباد (کافی الکفاۃ) صوبہ قزوین وابہر کے درمیان طالقان نامی گاؤں میں ۳۲۶ھ میں پیدا ہوا۔ ابن فارس لغوی سے بغداد میں علم حاصل کیا پھر اپنے وطن واپس آکر ابوالفضل بن العمید کی شاگردی اور مصاحبت اختیار کی۔ بعدازاں وہ عضدالدولہ کے بھائی مویدالدولہ کا اتالیق مقرر ہوا، اس کے ساتھ قیام کرنے، طویل عرصہ تک اس کی صحبت میں رہنے اور اس سے انتہائی تقرب کی بنا پر صاحب کہلایا۔ کچھ عرصہ بعد مویدالدولہ بن بویہ نے اس کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ جب فخرالدولہ اپنے بھائی مویدالدولہ کے بعد بادشاہ بنا تو صاحب بن عباد نے اپنا استعفی پیش کر دیا جس پر فخرالدولہ نے کہا ''اس حکومت کی وزارت پر تمہارا ایسا ہی موروثی حق ہے جیسا ہمارا حکومت میں، لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنے حق کی حفاظت کرے''۔ فخرالدولہ کے وزیر کے حیثیت سے وہ اپنی وفات ۳۸۵ھ تک کام کرتا رہا۔

آل سامان کے مشہور حکمراں سلطان بن نوح بن منصور نے اس کی شہرت کا حال سن کر اسے اپنے پاس بلانا چاہا تو اس نے معذرت کردی۔ جہاں اور وجوہات اپنے نہ آسکنے کی لکھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ اس کے کتب خانہ کو منتقل کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا کیونکہ اس کے لئے کم ازکم چارسو اونٹوں کی ضرورت ہوگی۔ اسے کتابیں جمع کرنے اور علما کی سرپرستی کا شوق تھا۔ وزیر کی حیثیت سے اسے اتنی شہرت نہیں حاصل ہوئی جتنی ایک زبردست ادیب اور انشا پرداز کی حیثیت سے ہوئی۔ اس کی سیاست وشجاعت قابل ذکر تھی اور بلند مقامی کا یہ عالم تھا کہ جسے اس کے یہاں شرف باریابی حاصل ہوجاتی وہ اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا تھا۔ اس کی مجالس ادیبوں، شاعروں، راویوں اور طالبان علم سے کبھی خالی نہیں رہتی تھی، تمام عمر وہ سب کا مخدوم اور منظور نظر رہا۔ اس کے انتقال پر ''ری'' کے دروازے اس کے ماتم میں بند کردیئے گئے اور لوگ کے قصر کے دروازے پر جنازہ کے انتظار میں کھڑے تھے، فخرالدولہ اور دیگر ارکان حکومت غیر سرکاری لباس میں شریک جنازہ تھے، اس کی تدفین اصفہان میں ہوئی۔

رسالہ نگاری میں اس نے اپنے استاذ ابن العمید کی تقلید کی ہے۔ الفاظ کے انتخاب، معانی کے اہتمام، سجع کے التزام اور فقروں میں ربط اس کے اسلوب کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ احمد حسن زیات کے قول کے مطابق ''اس کا مرتبہ بدیع کے بعد اور خوارزمی سے پہلے ہے۔ شاعری کرنے میں اسے ذوق سلیم اور شاعری پرکھنے میں اسے صحیح تنقیدی نظر ملی تھی۔ وزارت کی ذمہ داریوں اور ٹھاٹ باٹ اسے تصنیف وتالیف سے باز نہ رکھ سکی۔ اس نے لغت میں المحیط کی سات جلدیں، کتاب الامالة اور الکشف

عن مساوی المتنبی وغیرہ تصنیف کیں، مگر اس کی سب سے بڑی اور اہم خدمت ادیبوں کی حوصلہ افزائی، علما کو سرگرم عمل بنانا اور شمع ادب کو فروزاں کرنا ہے‘‘۔

’’اس کی سجع بندی کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شیرینی اور حلاوت ہے۔ وہ معاصر انشا پردازوں میں سب سے زیادہ آسان اور سب سے زیادہ نغمگی پر حامل تراکیب کا استعمال کرتا تھا، یوں تو وہ چھوٹے چھوٹے مسجع جملوں کا اہتمام کرتا تھا لیکن اگر جملے طویل ہوجاتے تھے تو وہ اس میں مستعمل الفاظ میں توازن قائم کرنے کی کوشش کرتا تھا...... اس کی سجع بندی کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ اس نے اپنی سجع بندی کو ایسی نثری شاعری کا روپ عطا کیا کہ جس سے قاری اور سامع دونوں محظوظ ہوتے ہیں‘‘۔

اس کے رسائل شائع ہو چکے ہیں اور یہ بیس ابواب پر مشتمل ہیں، ان رسائل کو خاص سیاسی و معاشرتی اہمیت حاصل ہے۔ بویہی حکومت سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے یہ رسائل دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں اور ادبی لحاظ سے ان کا مقام اہم ہے

جب قاضی ابو بشر اس سے ملنے ’’ری‘‘ کے دروازہ پر پہنچا اس نے یہ خط لکھا:

تحدثت الركاب بسير أروى   الى بلد حططت به خيامي

فكدت أطير من شوق إليها   بقادمة كقادمة الحمام

(قافلہ نے سیراب ترین شخص کے اس شہر میں آنے کی خبر دی جہاں میرا قیام ہے تو میں فرط شوق سے اس کی طرف اڑ کر پہنچنا چاہتا تھا کہ جیسے کبوتر اڑتا ہے)۔

آگے چل کر لکھتا ہے:

" أحق ما قيل أمرالقادم، أم ظن كامأني الحالم، لا والله بل هو درك العيان وأنه نيل المنى سيّان، فمرحبا أيها القاضي براحلتك ورحلك، بل أهلا بك وبكافة أهلك، ويا سرعة ما فاح نسيم مسراك! ووجد نا ريح يوسف من ريّاك! فحث المطى تزل غلّتي بسقياك، وتزح علتي بلقياك، وقص علّي يوم الوصول لنجعله عيدا مشرّفا، ونتخذه موسماو معرّفا، ردّ الغلام، أسرع من رجع الكلام فقدأمرته ان يطير على جناح نسر، وأن يترك الصبا في عقال وأسر "۔

سقى الله دارات مررت بأرضها   فأدّتك نحوى يازيادبن عامر

أصائل قرب أرتجي أن أنالها   بلقياك قد زحز من درّ الهواجر

(کیا واقعتاً آنے والے کے متعلق جو خبر ملی ہے وہ درست ہے، یا سونے والے خواب کی طرح محض خیال و گمان ہے، نہیں بخدا یہ آنکھوں دیکھی جیسی بات کی طرح ہے اور دراصل وہ (آنے والا) اور مراد کو پالینا برابر ہیں۔ میں آپ کی سواری اور پالان کو مرحبا کہتا ہوں۔

نہیں بلکہ آپ کو اور آپ کے تمام ساتھیوں کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ کس قدر تیزی سے آپ کے آمد کی خبر پھیلی ہے جس طرح یوسف کی خوشبو مہکی تھی، آپ سواری کو تیز چلایئے اور میری پیاس کو اپنی آمد سے بجھایئے، اپنی آمد سے میری بیماری کا ازالہ فرمایئے اور اپنی آمد کے دن سے باخبر کیجئے تاکہ ہم اس دن کو یوم عید بنادیں۔ صدائے بازگشت کے پلٹنے سے قبل خادم کو واپس بھیج دیں میں نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ شاہین کے پروں پر سوار ہوکر واپس آئے اور بادصبا کو اپنے پیچھے قید و بند میں چھوڑ آئے۔ اے زیاد بن عامر جن آبادیوں سے تو گذرا اور جن علاقوں نے تجھے میرے طرف رہنمائی کی اللہ ان کو سیراب کرے۔ آپ کی ملاقات کے تصور سے میں جن ٹھنڈی سہ پہر کا منتظر ہوں ان کے تصور ہی نے دوپہر کی تپش کو دور کر دیا ہے)۔

4.5.8 بدیع الزماں ہمدانی (۳۵۸ھ-۳۹۸ھ)

ابوالفضل احمد بن الحسین المعروف بہ بدیع الزماں، ۳۵۸ھ میں ہمدان میں پیدا ہوا اور وہیں کے مشہور علما سے کسب فیض کیا۔ كتاب المجمل کے مولف احمد بن فارس کا حلقہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ بدیع الزماں نے عربی اور فارسی دونوں زبانوں کا علم حاصل کیا۔ ہمدان چھوڑ کر صاحب بن عباد کے متوسلین میں شامل ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد جرجان کے حکمراں محمد بن مقصود کی خدمت کے لئے خود کو وقف کر دیا۔ آخر میں اس نے ہرات میں مستقل طور پر قیام کو پسند کیا اور خوشحالی کی زندگی گذاری۔ لگ بھگ چالیس سال کی عمر میں ۳۹۸ھ کو اس کی وفات ہوگئی۔ اس کی موت کا سبب بیان کرنے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ زہر خورانی اس کی موت کا سبب بنی جبکہ بعض دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کو سکتہ ہوا اور مردہ سمجھ کر اس کو جلد ہی دفن کر دیا گیا، قبر میں ہوش آیا تو اس نے آوازیں دیں جب قبر کھودی گئی تو اس کو ڈاڑھی پکڑے ہوئے مرا ہوا پایا گیا۔

یہ انتہائی ذکی و ذہین شخص تھا۔ ثعالبی کا بیان ہے کہ ’’وہ عجیب و غریب شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے سامنے اگر کوئی ایسا قصیدہ پڑھا جاتا جسے اس نے کبھی سنا نہ ہو اور وہ چاہے کتنے ہی اشعار پر کیوں نہ مشتمل ہو تو وہ اسے ازبر ہو جاتا تھا اور شروع سے آخر تک اس طرح سنا دیتا تھا کہ نہ تو کوئی لفظ ادھر سے ادھر ہوتا اور نہ ہی کسی شعر کے مفہوم میں کوئی

خلل پیدا ہوتا۔ اسی طرح غیر معروف کتابوں کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اس میں جو کچھ ہوتا انہیں بعینہ سنا دیتا تھا''۔ صاحب بن عباد اس کی لیاقت سے متاثر تھا، وہ اس کے سامنے فارسی زبان کا شعر پڑھتا تھا اور بدیع الزماں فوراً عربی کے قالب میں اس کو ڈھال دیتا تھا، جس طرح قوت حافظہ میں اسے شہرت تھی اسی طرح بدیہہ گوئی میں وہ ممتاز تھا۔ اس کے خطوط و رسائل کی تعداد تقریباً دو سو تیس ہے۔ ان میں سے بیش تر خطوط ذاتی قسم کے ہیں اور کچھ ادبی مسائل کے بارے میں۔ اس کی نثر نگاری منثور شاعری کی مانند ہے۔ اس میں تکلف اور آورد نام کو نہیں ہے۔ الفاظ پر شکوہ، حسین معانی، جمال اسلوب اور نزاکت تخیل کا مجموعہ ہے۔ اس نے شاعری بھی کی لیکن اس کی شاعری اس کے نثر کے درجہ تک نہیں پہنچ سکی، بہ یک وقت عمدہ شاعری اور عمدہ نثر نگاری بہت کم ایک شخص میں یکجا ہوتی ہیں۔ بدیع الزماں اپنے اسلوب کی زیبائش و آرائش میں اس قدر آگے جا چکا تھا کہ اس کا اہتمام کرنے والے دیگر لوگ اس کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکے وہ اسلوب کی تزئین کاری کے ساتھ صنائع اور بدائع کا استعمال کر کے جملے کی بندشوں کو اور بہتر بناتا تھا۔ اس کے یہاں مراعاۃ النظیر کا کثرت سے استعمال پایا جاتا ہے مثلاً ایک بچے کی پیدائش پر مبارکباد دیتے ہوئے لکھتا ہے ''حبّذا الأصل وفرعه، وبورك الغيث وصوبه، وانبع الأرض ونوره وحبذ اسماء أطلعت فرقداوغابة أبرزت أسدا ''(اصل اور شاخ دونوں قابل تعریف ہیں، بارش اور بادل دونوں قابل مبارکباد ہیں، باغ اور اس کی کلی ثمر آور ہوئی اور قابل تعریف ہے وہ آسمان جس نے فرقد ستارے کو طلوع کیا اسی طرح قابل تعریف ہے وہ جنگل جس نے کسی شیر کو ظاہر کیا)

اس کے رسائل سلاست و بلاغت کا نمونہ ہیں اور ان رسائل کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ قصہ نگاری کا جوہر اس کے اکثر خطوط میں پایا جاتا ہے اور اسی عنصر نے آگے چل کر ایک نئے فن یعنی ''مقامات نویسی'' کی بنیاد ڈالی جو چھوٹی چھوٹی حکایات پر مشتمل ہوتی ہیں جو اس کے ہیرو ابوالفتح اسکندری اور راوی عیسیٰ بن ہشام کے درمیان واقع ہوتی ہیں۔ ناقدین ادب کا خیال ہے کہ اس کے ذہن میں قصہ نگاری کا واضح تصور نہیں تھا بلکہ وہ یہ چاہتا تھا کہ ابوالفتح اسکندری اور عیسیٰ بن ہشام کے درمیان مکالمہ کے ذریعہ مسجع ادبی عبارتوں کا ذخیرہ جمع کر دیا جائے جسے نوجوان یاد کریں اور ان کے اندر ادبی ذوق پیدا ہو۔ یہی مقصد اس کے بعد ابوالقاسم حریری کے پیش نظر تھا اور اسی کو عمدہ اور بلیغ نثر تصور کیا گیا..... بدیع کے مقامات کا ایک اثر یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس کے ''ابلیسی مقامہ'' سے متاثر ہو کر ابن شہید اندلسی اور ابوالعلاء معرّی نے عالم مابعد الطبیعات کا اپنا سفر نامہ لکھا اور اس عالم کے حالات کو قوت متخیلہ کے مدد سے قارئین کے سامنے پیش کیا۔

بدیع الزماں نے چالیس مقامے نیشاپور میں قیام کے دوران املا کرائے، پھر امیر سجستان کے یہاں مہمان رہ کر پانچ مقامات کا اضافہ کیا اور بعد میں کسی اور موقع پر اس نے چھ مقامات کا اضافہ کیا۔ اس کے مقامات کا موضوع جداگانہ نہیں ہے بلکہ سب کا موضوع ایک ہی ہے اور وہ ہے ''ادبی انداز کی گداگری''۔ اس نے اپنے زمانہ میں پائے جانے والے پیشہ ور گداگر ادیبوں کے حیلے اور بہانوں کو ان ''مقامات'' میں یکجا کر دیا ہے۔ اپنے مقامات میں وہ وصف نگاری اور تصویر کشی کا اہتمام کرتا ہے اور جس چیز کی عکاسی کرتا ہے اس کے بارے میں متعدد جملوں کا استعمال کرتا ہے تاکہ نوجوان ادیب اس میں سے اپنی پسند کے جملے کا انتخاب کر سکے۔ ابن القفطی کا یہ قول کسی حد تک درست معلوم ہوتا ہے کہ ''انشاء پردازی کی مشق اور نظم و نثر کے مختلف اسالیب سے واقفیت کے سوا مقامات سے کوئی اور شے کی کشید نہیں کی جا سکتی''۔

''مقامہ'' اس مختصر، دلچسپ اور خوش اسلوب حکایت کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی نصیحت یا لطیفہ ہو۔ یہ لفظ مقام سے ماخوذ ہے جس کے معنی کھڑے ہونے کی جگہ پھر اس کے معنوں میں وسعت پیدا کر کے اسے مجلس اور جگہ کے معنوں میں استعمال کیا گیا۔ بعد میں کثرت استعمال سے مجلس میں پڑھے جانے والے خطبے اور پند و نصائح کو بھی مقامہ یا مجلس کہا جانے لگا جیسے مقامات الخطباء، مقامات القصاص اور مقامات الزهاد۔ حکایت کی یہ صنف عہد عباسی کے وسط میں سامنے آئی اور اس کی ابتداء ابن فارس نے کی پھر اس کے شاگرد بدیع الزماں نے اسے اوج کمال تک پہنچایا۔ مقامہ سے مقصود نہ تو جمال حکایت ہے نہ حسن وعظ اور نہ افادۂ علمی بلکہ وہ ایک فنی اور ادبی تحریر ہے جس میں نہ تو تخیل نفسی ہے نہ ہی فنی قصہ نگاری بلکہ مقامات لکھنے والوں کی زیادہ تر توجہ تحسین لفظی اور مسجع و مقفّٰی عبارات لکھنے پر رہی جن کا اولین مقصد اپنے لسانی ملکہ کا اظہار کرنا تھا اور ثانیاً نوجوان ادبا کو انشا پردازی کی مشق بہم پہنچانا۔

بقول ڈاکٹر شوقی ضیف ''نادر اور پیچیدہ الفاظ کے استعمال کے ساتھ ساتھ بدیع الزماں نے اپنے مقامات میں کثرت سے شعر کی تضمین، قرآن کی آیات اور ضرب الامثال کو اپنی عبارتوں میں استعمال کیا ہے، یہ سارے مظاہر تکلف و تصنع کرنے والے ادبا کے یہاں واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔ اس نے صنعت تجنیس کو اپنے مقامات میں ایک اہم عنصر بنا کر پیش کیا..... اور اس صنعت میں افراط نے اس کو تجنیس ناقص اور تجنیس معکوس کے استعمال پر مجبور کر دیا..... خلاصہ کلام یہ کہ وہ ایک ایسے مرحلہ کا ادیب تھا جس میں نثر نگاری فن تصنع یعنی اسلوب کی تزئین و آرائش کے اہتمام کے رجحان سے نکل کر اسلوب میں تکلف و تصنع کے اہتمام کے مرحلہ میں داخل ہو رہی تھی.....''۔

اس کی نثر کا نمونہ:

"يعزّ علّى (اطال الله بقاء الرئيس) ان ينوب فى خدمته قلمى عن قدمى ويسعد برويته رسولى دون وصولى، ويرد

وعلی ان اسعی ولیس　　　　علّی ادراك النجاح

وقد حضرت داره وقبلت جداره ومابی حسب الجدران ولکن شغفاً بالقطان ولاعش الحیطان، ولکن شوقا الی السکان"۔

(مجھے یہ بات گراں گذر رہی ہے کہ میرے قدموں کے بجائے میرا قلم رئیس کی خدمت میں میری نیابت کرے، میرے بجائے پیغام ان کی دید سے مشرف ہو، میرے بجائے میری تحریر ان کی انسیت کے مقام پر اترے لیکن کیا کیا جائے رکاوٹیں ڈھیروں ہیں اور ان تک پہنچنے کی کوئی تدبیر نہیں (شاعر) کہتا ہے میرے لئے کوشش کرنا ضروری ہے اس کوشش میں کامیابی کا حصول ضروری نہیں۔ میں ان کے دولت خانہ پر حاضر ہوا اس کی دیواروں کو بوسہ دیا دراصل مجھے دیواروں سے الفت نہیں بلکہ مکینوں کی محبت اور شوق میں ایسا کیا ہے)۔

المقامات المضریه کی عبارت ملاحظہ ہو:

" یاغلام الخوان فقد طال الزمان، والقصاع فقد طال المصاع، والطعام، فقد کثرالکلام. فأتی الغلام بالخوان، قلبه التاجر علی المکان ونقره بالبنان و عجمه بالاسنان، وقال: عمرّالله بغداد فما أجود متاعها وأظرف صنّا عها تأمل بالله هذاالخوان وانظر الی عرض متنه وخفته وزنه وصلابة عوده وحسن شکله، فقلت: هذا الشکل فمتی الأکل؟ فقال: الآن"۔

(اے غلام خوان لاؤ کافی وقت گذر گیا، برتن لاؤ کافی بحث ومباحثہ ہوگیا، کھانا حاضر کرو باتیں بہت ہوگئیں۔ پس غلام ایک خوان لے آیا، اس تاجر نے اسی جگہ اسے الٹ پلٹ کیا، انگلیوں سے بجایا اور دانتوں سے اس کو دبایا اور کہنے لگا کہ اللہ بغداد کو آباد رکھے وہاں کا سامان کتنا عمدہ ہے اور وہاں کے کاریگر کتنے بہترین ہیں، بخدا اس خوان کو دیکھو، اس کی وسعت، اس کے وزن کا ہلکا پن، لکڑی کی مضبوطی اور خوبصورتی کو دیکھو، میں نے کہا کہ یہ شکل وصورت تو ٹھیک ہے کھانا کب (نصیب) ہوگا؟ اس نے جواب دیا: بس ابھی")۔

٭اشعار کا نمونہ:

إسمع نصیحة ناصح　　　　جمع النصیحته والمقه
إیاك وإحذرأن تکون　　　　من الثقات علی ثقه

(خیر خواہ کی نصیحت سنو جس نے خیر خواہی اور نصیحت کو اکٹھا کر دیا ہے اور خبردار قابل بھروسہ لوگوں پر بھی بھروسہ کرنے سے بچتے رہنا)

ابوالقاسم ناصر الدولہ سخاوت سے متعلق اشعار:

وکان أمطار الربیع　　　　الی ندی کفیك تُعزی
یا أیهاالملك الذی　　　　بعساکر الآمال یغزی
خلقت یداك علی العدی　　　　سیفا وللعافین کنزا
لازلت یاکنف الامیر　　　　لنامن الاحداث حرزا

(ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فصل بہار کی بارشیں آپ کے ہاتھوں کی سخاوت کی طرف منسوب ہیں۔ اے وہ بادشاہ کہ جس پر آرزؤں کے لشکر سے چڑھائی کی جاتی ہے آپ کے ہاتھ دشمنوں کے لئے تلوار مانگنے والوں کے لئے خزانہ ہیں اے بادشاہ تو ہمیشہ ہمارے لئے ہمیشہ حوادث زمانہ سے بچاؤ کا سبب بنا رہے)۔

اس کی باقیات میں "مقامات" کے علاوہ ایک دیوان شعر اور مجموعہ رسائل ہیں جو بے حد مقبول ہوئے۔ ان رسائل میں مدح، شکر، معذرت خواہی، تعزیت، ہجو، عتاب طلب جود اور شفقت کی امید والے موضوعات ہیں۔ کچھ رسائل حکام، وزراء، شیوخ ادباء، اور اہل عیال کے نام سے بھی ہیں۔

4.5.9　قاضی فاضل (۵۲۹-۵۹۶ھ)

قاضی فاضل کا شمار عباسی دور کے چوتھے طبقہ کے سردار کے طور پر ہوتا ہے، ابن العمید کے زمانہ سے صنائع وبدائع، سجع بندی اور مضمون میں زیبائش وآرائش کا سلسلہ شروع ہوا تھا قاضی فاضل کا دور آتے آتے اس میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا تھا۔ قاضی فاضل نے مندرجہ بالا عناصر کے علاوہ توریہ اور تجنیس کا بیجد استعمال رائج کیا۔ یہ اسلوب ابن خلدون (م-۸۰۸ھ) کی آمد تک مقبول عام رہا، یہاں تک ابن خلدون کا اثر اور نئے زمانے کے تقاضوں نے اس اسلوب کا کڑی حد تک خاتمہ کر دیا

ابوعلی عبدالرحیم بیسانی عسقلانی کی ولادت ۵۲۹ھ میں عسقلان میں ہوئی۔اس کا والد چونکہ فاطمیوں کے زمانہ میں بیسان کا قاضی تھا لہٰذا اس نسبت سے بیسانی بھی کہا جاتا ہے۔ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والد بہاء الدین علی سے حاصل کی، رسائل نگاری اور دفتری انشاء میں مہارت حاصل کرنے کے لئے مصر آیا اور اسکندریہ کے قاضی ابن حدید کے دفتر میں ملازم ہوگیا۔موفق بن خلال اور ابن قادوس کی شاگردی میں رہا۔جلد ہی وہ اپنے فضل وکمال کی وجہ سے مشہور ہوگیا، قاہرہ میں ملک ظافر کے دفتر میں ملازمت حاصل کی۔حکومت ایوبیہ کے قیام کے بعد صلاح الدین بن ایوب نے اسے وزیر بنالیا پھر صلاح الدین کے لڑکے ''عزیز'' اور اس کے بھائی ''ملک افضل'' کا وزیر رہا۔ مسالك الابصار کے مصنف ابن فضل اللہ عمری کے قول کے مطابق ''قاضی فاضل صلاح الدین کی حکومت کا انشاپرداز، وزیر، حاکم اور مشیر سب کچھ تھا، وہی اس کے وفود تیار کرتا تھا.....''۔

اس کے عہدے کا تقاضا یہ تھا کہ وہ مختلف صوبوں کے انشاپردازوں سے راہ ورسم رکھے اور وہاں سے حاصل شدہ اطلاعات کو بادشاہ تک پہنچائے، مصر شام اور عراق کی انشاپردازی کے طریقوں سے واقفیت نے اسے ایک نئے طرز کے ایجاد کرنے پر ترغیب دی۔اس کے یہاں تکلف وتصنع کے عناصر کا خاص اہتمام ہے، اس کے جملے طویل ہوا کرتے تھے تاکہ وہ صنعت تجنیس اور مراعاۃ النظیر کا استعمال کرسکے۔کہا جاتا ہے کہ کثرت سے توریہ کی صنعت تحریک اسی کے زمانہ سے رائج ہوئی۔قاضی فاضل کو جو ادبی وفنی مہارت حاصل تھی اس میں اس تکلف وتصنع والے اسلوب میں مضمون اور عبارتوں میں ثقل کا احساس نہیں ہوتا تھا لیکن بعد میں آنے والے انشاپردازوں کی محض تقلید نے شکل بگاڑ دی۔اس کا ڈھانچہ تو عربی تھا مگر اس میں عربی روح کا فقدان نظر آتا تھا۔قاضی فاضل ایوبی دور کا فصیح وبلیغ ادیب ہے۔جن اصطلاحات کو وہ اپنی تحریروں میں استعمال کرتا تھا وہی بعد میں آنے والے سبھی مصری ادبا کے فن کی اساس وبنیاد ہیں یہاں تک کہ نویری نے یہ کہہ دیا کہ قاضی فاضل کے بعد جتنے فاضل آئے سب کے سب فاضل (زائد) تھے۔

نمونۂ کلام:

''الحمد لله الذى صدق وعده وأورثه الارض وحده، وجدد علاه واعلى جده واسعد نجحه وانجح سعده ووعده نجمه وانجم وعده واورده واصفى ورده''۔

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ قاضی فاضل تجنیس تام اور تجنیس غیر تام کا استعمال کرتا ہے۔یہی وہ انداز ہے کہ ابن العمید کی تقلید کرنے والوں کی آخری صف میں حریری نے اختیار کیا تھا اور یہی طریقہ فاضلیہ طریقہ آگے چل کر کہلایا جس میں قصداً بدیع کا استعمال، صنعت میں مبالغہ، لفظی زیبائش وآرائش پر زیادہ زور اور معانی پر کم توجہ ہوتی ہے۔

اپنے بھائی عبدالکریم جو میر علم الدین النحاس کی ایذاء رسانی کا سبب بنا تھا، کے نام ایک دوسرے خط میں لکھتا ہے:

'' وبالله أقسم لئن لم تداوماجرحت وتستدرك مافعلت وتمح ماأثبت وتستانف ضد القبيح الذى كتبت به وشافهت، وتعتذربالجميل فيما قاطعت الله به وبارزت، ليكونن الحديث منى بغير الكتب ولازيلن السبب الذى قدرت به على مضرة الاصحاب، وماشد معرفتى بان الطباع لا تتغير وبانك ستحوجنى بعد اهذا الكتاب الى مالا يتاخر وبالجملة فاستدرك بفعلك لابايمانك لى وتنصلك الّى.....''۔

(خدا کی قسم اگر تم نے اس زخم کا علاج نہ کیا جو تم نے لگایا ہے، اس فعل کو درست نہ کیا جو تم سے صادر ہوا ہے، اس چیز کو نہ مٹایا جس کو تم نے ثابت کیا ہے، اس برائی سے جو تم نے کیا جس کے بارے میں میں نے تم کو لکھا ہے اور گفتگو کی ہے اور حسن معذرت کا اظہار نہ کیا اس بارے میں جس میں تم نے حقوق اللہ کو ختم کیا ہے تو اب گفتگو میری طرف سے خط کے بغیر ہوگی اور میں لازمی طور پر اس سبب کو ختم کردونگا جس کی بنا پر تم دوسروں کو نقصان پہنچانے پر قادر ہوئے ہو۔ مجھے پکا یقین ہے فطرتیں نہیں بدلتی ہیں اور تم اس خط کے بعد مجھے کسی تاخیر سے زیر بار نہ کروگے، حاصل کلام یہ کہ تم اپنے عمل سے درستگی کرو نہ کہ میرے ساتھ وفاداری کا اظہار کرکے اور میرے پاس اپنی برأت کا اظہار کرکے)۔

۵۹۶ھ میں قاہرہ میں اس کی وفات ہوئی۔

4.5.10 ضیاءالدین ابن الاثیر

ضیاء الدین ابوالفتح نصراللہ بن محمد الشیبانی شمالی عراق کے ابن عمر نامی جزیرہ میں پیدا ہوا۔اس کا گھرانہ علوم شرعیہ اور علوم لغویہ کے لئے مشہور تھا۔اس کا بڑا بھائی مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد (م ۶۰۶ھ) قرآن وحدیث اور عربی نحو وصرف میں ماہر تھا۔اس کی تصانیف میں '' جامع الاصول فى احاديث الرسول'' ''النهاية فى غريب الحديث ''اور کتاب ''الانصاف فى الجمع بين الكشف والكشاف'' زیادہ مشہور ہیں۔دوسرا بھائی عزالدین ابوالحسن علی بن محمد (م ۶۳۰) ہے اس کی مشہور ترین کتابوں میں ''الكامل فى التاريخ '' ''أسد الغابة فى معرفة الصحابة ''اور سمعانی کی کتاب الانساب کا خلاصہ ''لباب لب الباب فى معرفة الانساب ''ہے۔

ابتدائی تعلیم وتربیت اور حفظ قرآن کے بعد ضیاء الدین اپنے والد کے ساتھ ۵۷۹ھ میں موصل آ گیا جہاں علماء کی مجالس میں شریک ہو کر اس نے علوم اسلامیہ، علوم لغویہ اور علوم بلاغیہ کا درس لیا۔ درسیات کی تکمیل کے بعد ۵۸۷ھ میں وہ قاضی فاضل کی وساطت سے صلاح الدین ایوبی تک پہنچا اور تقریباً چارہ ماہ تک اس کے پاس رہا۔ صلاح الدین کے لڑکے نور الدین نے اپنے والد سے ضیاء الدین کو حاصل کر کے اسے اپنے وزیر و مشیر بنالیا۔ صلاح الدین کی وفات کے بعد دمشق کی حکومت نور الدین کو ملی تو اس نے ضیاء الدین کو وہاں کے انتظامی امور کی ذمہ داری دے دی۔ دمشق والوں کے ساتھ اس کا جو سلوک رہا اس کی وجہ سے لوگ اس کے قتل کے درپے ہو گئے اور نور الدین کے ہاتھ سے دمشق نکل گیا تو ضیاء الدین ایک مقفل صندوق میں چھپ کر بڑی مشکل سے مصر پہنچا اور اس وقت تک روپوش رہا جب تک نور الدین مصر کا سلطان نہ بن گیا۔ نور الدین ایک سال تک مصر میں رہا۔ جب اسے دریائے فرات کے قریب ''سُمَیاط'' کا حاکم بنا دیا گیا تو ضیاء الدین بھی اس کے ساتھ وہاں آ گیا۔ یہاں کچھ عرصہ رہنے کے بعد ۶۰۷ھ میں حاکم حلب سلطان ظاہر کے پاس چلا گیا۔ پھر وہاں سے ۶۱۱ھ میں اربل اور سنجار کا سفر اختیار کیا لیکن یہاں سکون نہ ملا تو ۶۱۸ھ میں ناصر الدین محمود حاکم موصل کے دیوان انشاء کا صدر نشین بنا۔ ۶۳۷ھ میں بعض اہم کام کی انجام دہی کے لئے ناصر الدین محمود نے اسے بغداد بھیجا جہاں اسی سال اس کی وفات ہو گئی۔

ضیاء الدین کو اپنی تحریروں کے عمدہ اسلوب کی وجہ سے اپنے ہم عصروں پر سبقت حاصل تھی۔ وہ ایک صاحب طرز انشا پرداز کے طور پر مشہور ہوا۔

اس کی تصانیف درجہ ذیل ہیں:

۱۔''المثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر'' محسنات لفظیہ، محسنات بدیعیہ اور محسنات معنویہ میں نہایت مستند سمجھی جاتی ہیں۔ اپنی کتاب میں اس نے ان امور کی نشان دہی کی ہے جن کی انشا پردازوں کو ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً لغوی و بلاغی علوم، اشعار عرب، امثال عرب، قرآن وحدیث سے استشہاد، احکام خلافت وریاست اور اس سے متعلق فقہی امور ومسائل۔

۲۔'' الوشی المرقوم فی حل المنظوم '' ہے۔ اس کتاب میں ضیاء الدین نے دو فصلوں میں اس بات کو بیان کیا ہے کہ رسائل نویسی میں آیات قرانیہ اور احادیث نبویہ سے کس طرح استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔'' المعانی المخترعۃ فی صناعۃ الانشاء'' ۔

۴۔ایک مجموعہ اشعار اس نے ترتیب دیا ہے جس میں ابوتمام، بحتری، دیک الجن اور متنبی کے اشعار ہیں۔

۵۔''دیوان ترسل''اس کے رسائل کا مجموعہ کئی جلدوں میں ہے۔''المثل السائر'' میں خود اس نے ذکر کیا ہے کہ میرے رسائل کئی جلدوں میں ہیں۔

۶۔''المختار من دیوان الترسل ''ایک جلد میں ہے۔

۷۔''الجامع الکبیر فی صناعۃ المنظوم والمنثور '' ہے جس کے مخطوطہ کے دو نسخے دار لکتب المصریۃ میں محفوظ ہیں۔ ایک مخطوطہ ۱۲۰۵ھ کا ہے اور دوسرا ۱۳۱۴ھ''۔

مندرجہ بالا تمام کتابوں سے ہمیں شاہی فرامین نویسی میں ضیاء الدین کے خصوصیات کا علم ہوتا ہے۔ اس کی توجہ سجع، صور بیانیہ اور محسنات بدیع پر نمایاں ہیں۔ وہ قرآن وحدیث کے اقتباسات اور اشعار کو نثر کے قالب میں ڈھالتا ہے اور اپنی تحریروں سے اس کی مثالیں پیش کرتا ہے۔

ایک مکتوب میں آیات قرانیہ سے اقتباس کر کے جنگ کا نقشہ اس طرح پیش کیا ہے:

''وعقد العجاج شفقا فانعقد ،وارانا کیف رفع السماء بغیر عمد غیر انها سماء بنیت بسنابك الجیاد ،وزینت بنجوم الصعاد ،ففیها ما یوعد من المنایا لا مایو عد من الارزاق ومنها تقذف شیاطین الحرب لا شیاطین الاستراق''۔

(غبار نے شفق بنا کر ہمیں دکھایا کہ بغیر ستون کس طرح آسمان بلند ہے، البتہ یہ آسمان گھوڑوں کی کھروں سے بنایا گیا ہے، اور اسے نیزوں کے ستاروں سے مزین کیا گیا ہے، اس میں موت کے وعدے ہیں، رزق کے نہیں، ان سے جنگ کر کے شیاطین کو مارا جاتا ہے، کان لگا کر سننے والوں کو نہیں)۔

مندرجہ بالا عبارت میں اقتباس کو سمجھنے کے لئے سورہ رعد کی آیت ﴿الله الذی رفع السماوات بغیر عمد ﴾، سورہ ذاریات کی آیت ﴿وفی السماء رزقكم وما توعدون ﴾ اور سورہ صافات کی آیت ﴿وحفظا من كل شيطان مارد، لايسمعون الى الملاء الاعلى ويقذفون من كل جانب ﴾ کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

اس کے ایک خط کا نمونہ جو اس نے الملک الافضل (نور الدین) کی طرف سے اس کے چچا الملک العادل کو لکھا تھا:

على صاحبه ، ويُطمع فى جانبه ،ولولا ذلك لما رستلين عودى فعُجم، واستضعف ركنى فُهدم ، ولا شكوما اشكوه الا الى عمى ، وصنو أبى الـذى نـفره نفرى ، وهوالذى قلب فُواقى على وترى ،وعلمنى التظلم من الايام وأرانى ضوء النهار بعين الا ظلام ، ولقد أضاع فىّ احسانه وخالف فى قطع رحمى سنة الله وكتابه ، وجعل ايامى منه كيوم البعث الذى يتناكر الناس فى انسابه وأسبابه " ۔

ضیاءالدین ابن الاثیر کے ہم عصر مؤرخوں کا خیال تھا کہ وہ اپنے زمانہ وزارت میں حکومت کے کارندوں سے بھی اچھی طرح پیش نہیں آتا تھا اور حکومت کے معاملات میں اس کی وجہ سے خرابی پیدا ہوجاتی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے وہ الملک الافضل اور اس کے بھائی الملک العزیز کے درمیان نزاع کا سبب تھا۔ جب بھی الملک الافضل اپنے بھائی سے صلح صفائی کرنا چاہتا تھا۔ ابن الاثیر آڑے آ کر دونوں میں منافرت کو مزید بڑھا دیتا تھا۔ پھر اس نے اپنے محسن قاضی فاضل کو جس نے اسے بادشاہ سے ملایا تھا اپنے سلوک سے سخت ناراض کر دیا تھا اور دمشق سے مصر بھجوانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ بہر حال اس طبقہ کے ادیبوں میں توریہ اور تجنیس کے غلو نے انشا پردازی کو تکلفات اور تصنع کا مجموعہ بنا دیا۔ یہ اسلوب تحریر اگر رسائل نویسی، شاہی فرامین اور عہد ناموں تک محدود رہتا تھا تو ٹھیک تھا لیکن بعد میں آنے والوں نے تو کتابوں کی تصنیف اور علوم کی تدوین میں اسی اسلوب کو اپنا لیا مثلاً ''تاريخ العتبى'' اور ''الفتح القدسى'' وغیرہ۔ جہاں تک ابن الاثیر کا مرتبہ ہے تو بجا طور پر وہ عمدہ اور ماہر انشا پردازوں میں تھا۔ عراق میں اس کے بعد اس درجہ کا کوئی دوسرا رسائل نگار نہیں پیدا ہوا۔

مجموعی طور پر عباسی دور کے دیگر انشا پردازوں احمد بن یوسف (م ۲۱۳ھ)، عمرو بن مسعدۃ (م ۲۱۷ھ)، ابن الزیات (م ۲۳۳ھ)، ابوعمرو بن العلاء (م ۱۵۶ھ)، ابوعبیدۃ، معمر بن المثنیٰ (م ۲۰۹) سعید بن حُمید (سال وفات نامعلوم، غالب گمان ہے کہ وہ خلیفہ معتمد (۲۵۶-۲۷۸ھ) کے وسط تک زندہ رہا، صاحب الاعلام نے اس کا سال وفات ''نحو ۲۵۰ھ'' لکھا ہے)، ابن ثوابہ، احمد بن محمد (م ۲۷۷ھ)، ابوالفرج اصفہانی (م ۳۵۶ھ)، ابومنصور عبدالملک بن محمد اسماعیل معروف بہ ثعالبی (م ۴۲۹ھ)، ضیاءالدین ابن الاثیر جزری (م ۶۳۷ھ)، ابوحیان توحیدی (م ۴۱۴ھ)، قابوس بن وشمگیر (م ۴۰۳ھ)، ابن مسکویہ (م ۴۲۱ھ)، خوارزمی (م ۳۸۳ھ)، محمد بن عبدالجبار عتبی (م ۴۲۷ھ)، ابواسحٰق صابی (م ۳۸۴ھ)، رشیدالدین وطواط (م ۵۷۳ھ)، ابوالعلاء معری (م ۴۴۹ھ)، زمخشری (۵۳۸ھ)، ابن الحاجب (م ۵۶۴ھ)، حصکفی (م ۵۵۱ھ) اور ابن الشخبا (۴۸۴ھ) وغیرہ ہیں۔

4.6 خلاصہ

بلاشبہ عباسی دور علوم وفنون کی ترقی کا سنہرا دور تھا۔ اس دور کی اہمیت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ بیشتر فنون کے ماخذ اسی عہد کی یادگار ہیں۔ ترجمہ کے ذریعہ دیگر علوم عربی زبان میں منتقل ہوئے۔ طب، کیمیاء علم نجوم فلسفہ ادب، تفسیر، علم حدیث، فقہی ادب، تاریخی ادب، ریاضی ہندسہ، موسیقی، علم کلام، ہیئت اور فلکیات پر تصانیف کا سلسلہ آگے بڑھتا رہا۔ اس عہد کو اسلام کا زریں عہد کہا جائے تو بیجا نہیں بقول احمد حسن زیات ''مسلمان تمدن وتہذیب اور عمران واقتدار کے لحاظ سے اس قدر بلند مقام پر پہنچ گئے تھے کہ اس سے قبل یا اس کے بعد پھر کبھی اس بلندی پر نہ پہنچے۔ فنون اسلامیہ اس دور میں پھلے پھولے، آداب عربیہ نے نشو ونما پائی، غیر ملکی علوم کے ترجمے ہوئے، عقل عربی پختہ ہوئی اور اس نے غور وفکر، بحث وتمحیص کے لئے ایک وسیع جولان گاہ پائی...... تا آنکہ ہلاکو خاں نے ۶۵۶ھ میں اس حکومت کا تختہ الٹ دیا اور حکومت کے زوال کے ساتھ اس کے تمدن وآداب میں بھی انحطاط ہوتا گیا اور بالآخر حکومت کے خاتمہ پر ان کے آداب وتمدن کا بھی خاتمہ ہوگیا''۔

عہد عباسی میں عربی نثر نگاری کو کافی فروغ ہوا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ علوم وفنون کے دائرہ میں وسعت کا پیدا ہونا تھا کی علمی موضوعات کا احاطہ شعری قالب میں نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اسی وجہ سے اس عہد میں جتنی ترقی نثر کی ہوئی اتنی ترقی عربی ادب کی تاریخ میں عصر جدید کو چھوڑ کر کسی اور عہد میں نہیں ہوئی تھی۔ اس عہد میں جہاں ایک طرف نثر میں خالص ادبی موضوعات جیسے سفر نامے اور تنقید وغیرہ پروان چڑھے تو دوسری طرف لسانی علوم جیسے نحو ولغت جیسے علوم وفنون نے ترقی کے منازل طے کیے۔ ان علوم وفنون کے ساتھ ساتھ سماجی علوم جیسے تاریخ وجغرافیہ، سائنسی علوم جیسے کیمیاء اور طبیعیات وغیرہ کے موضوع پر عہد عباسی کے علماء نے گرانقدر تصانیف بطور یادگار چھوڑی ہیں۔ ان کتب نے جہاں ایک طرف عربی نثر نگاری کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا وہیں عربی زبان کے دامن کو اس قدر وسیع کر دیا کہ اس میں کسی بھی قسم کے موضوع کا احاطہ کیا جاسکتا ہے۔

4.7 نمونے کے امتحانی سوالات

درج ذیل سوالوں کے جوابات پندرہ سطروں میں لکھیے۔

۱- عہد عباسی میں نثر نگاری کے ارتقائی مراحل پر روشنی ڈالیے۔

۲- عہد عباسی میں فن خطابت کے ارتقاء پر ایک نوٹ لکھیے۔

۳- علوم لسانی پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

۴-علوم شرعیہ پر ایک نوٹ لکھیے۔

۵-عہد عباسی میں تاریخ نویسی کا جائزہ لیجیے۔

درج ذیل سوالوں کے جوابات تیس سطروں میں لکھیے۔

۱-عہد عباسی میں نثر نگاری کے فروغ کے اسباب وعوامل اور اس کے امتیازات وخصائص بیان کیجیے۔

۲-عہد عباسی کے نثر نگاران کے کتنے طبقات پائے جاتے تھے؟

۳-عہد عباسی کے اولین معماران نثر پر نوٹ لکھیے۔

۴-عہد عباسی کے اصناف نثر جائزہ لیجیے۔

۵-عہد عباسی میں لغت نویسی کے ارتقاء پر ایک نوٹ لکھیے۔

4.8 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

-تاريخ الأدب العربي (العصر العباسي)	ڈاکٹر شوقی ضیف
-الجامع في تاريخ الأدب العربي	حنا فاخوری
-تاريخ الأدب العربي	احمد حسن زیات
-ضحی الاسلام، جلد سوم	احمد امین
-عربی نثر فنی کا ارتقا	شوقی ضیف ترجمہ شمس کمال انجم
-تاریخ ادب عربی حصہ سوم	مقتدی حسن ازہری